شہد عشق

یکے از تصنیفات

پروفیسر ڈاکٹر
علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی
ڈاکٹر آف لیٹرز (آنریری)، ڈسٹنگوشڈ سینئر پروفیسر
سینئر یونیورسٹی کنیڈا، یو۔ ایس۔ اے

ناشر: خانۂ حکمت / ادارۂ عارف

شہدِ بہشت

یکے از تصنیفات

پروفیسر ڈاکٹر

علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

لسان القوم حکیم القلم

شائع کردہ

خانۂ حکمت — ادارۂ عارف

۳-اے، نور ویلا- گارڈن ویسٹ، کراچی ۳- پاکستان

فرشتگانہ خصوصیات

(انتساب)

اے نورِ عینِ من! اُس بابرکت و پُرحکمت کلیدی آیت کو جان و دل سے یاد رکھنا اور ہرگز ہرگز بھول نہ جانا جو نورِ مُنزّل اور کتابِ مبین (قرآن) کے دائمی ربط و تعلق کے بارے میں وارد ہوئی ہے (۵:۱۵) تاکہ ان شاءاللہ روحانی ترقی میں آگے چل کر آپ کو ہر مشکل سے مشکل علمی سوال کا معجزانہ جواب ازخود مل سکے، کیونکہ نورِ ہدایت اور کتابِ سماوی کا اصل مقصد یہی ہے کہ دینِ کامل (۵:۳) کا سرچشمۂ علم و حکمت ہمیشہ کی طرح ایک ہی شان سے جاری و ساری رہے۔

بعض عزیزوں نے ایک بہت ہی عمدہ اور مفید سوال پیش کیا ہے، وہ یہ ہے: "کون کونسی فرشتگانہ خصوصیات ایسی ہیں جو مومنین و مومنات میں کُلّی یا جزوی طور پر پیدا ہو سکتی ہیں؟"

اس کا مفصّل جواب کلامِ الٰہی میں موجود ہے: (الف:) فرشتوں کی اوّلین خصوصیّت یہ ہے کہ انہوں نے حضرتِ آدم خلیفۃ اللہ علیہ السّلام کی اطاعت کر کے روحانی علم حاصل کر لیا، کیونکہ قانون یہی ہے کہ خلیفۂ خدا کے سوا اور کہیں سے حقیقی علم نہیں ملتا ہے۔ (ب:) جو فرشتے درجۂ کمال پر پہنچ چکے ہیں وہ ہر چیز میں شاہدِ علم و حکمت

کی تجلّی دیکھتے ہیں (۴۰:۷) اس لئے چھوٹے فرشتوں کی ہر وقت یہی کوشش ہوتی ہے کہ وہ بھی علمی ترقی سے اُس مقام تک پہنچ جائیں۔
(ج:) سُورۂ انبیاء (۲۱: ۱۹-۲۰) میں عظیم فرشتوں کے ذکر و عبادت اور تسبیح کے بیان کو دیکھیں کہ ان کے مبارک وجود میں ذکر و عبادت اور علم و حکمت کا آفتاب طلوع ہو چکا ہوتا ہے۔

الغرض فرشتوں کی کوئی ایسی خصوصیت اور صفت نہیں جو مومنین و مومنات میں بتدریج پیدا نہ ہو سکے، جبکہ فرشتے اہلِ ایمان ہی کے ترقی یافتہ نفوس (ارواح) ہیں، الحمد للّٰہ ربّ العالمین۔

ملائکہ ارض و سما میں منتشر ہیں، وہ روحانی بھی ہیں اور جسمانی بھی، چنانچہ ہماری اپنی پیاری کائنات کے پیارے پیارے فرشتوں میں سے چار عزیز فرشتے اُٹھ کھڑے ہوتے اور ایک بڑے وسیع علمی دسترخوان کو چاروں کونوں سے پکڑ کر پھیلا دیا، یہ عزیزان بار بار احسان کرتے رہتے ہیں، دعا ہے کہ ان کو ہر لحظہ حضرتِ امام علیہ السّلام کی پاک دعا حاصل رہے! وہ ہمارے بہت ہی عزیز اور ممدّ و معاون فرشتے ظہیر لالانی، عشرت رومی ظہیر، روبینہ برولیا، اور زہرا جعفر علی ہیں، جو ہمارے شہرۂ آفاق ادارے میں ریکارڈ آفیسرز کے عہدوں سے سرفراز ہیں، ان شاء اللّٰہ العزیز دنیا میں ہمارے جُملہ رفیقوں کی ایک تاریخِ زرّین بنے گی اور آخرت میں ایک انتہائی عظیم الشان

کائناتی نامۂ اعمال تیار ملے گا۔

میرے عزیزان جس ملک میں بھی ہیں وہ گویا میرے ساتھ ہیں، میں سب کو ہمیشہ اپنی عاجزانہ دعاؤں میں یاد کرتا رہتا ہوں، ہم سب مولائے پاک اور پیاری جماعت کے ساتھ ساتھ اسلام اور انسانیت کی مقدس خدمت کی خاطر فردِ واحد کی طرح ایک ہوگئے ہیں، جس کے نتیجے میں ہمیں بفضلِ خدا عدیم المثال کامیابی نصیب ہوئی ہے، ہم کو کسی عظیم دوست نے لطفاً اپنے باغ کا ایک شجر بنا دیا، الحمد للہ اس کی بہت سی پُرثمر شاخیں پیدا ہوگئیں، ان میں سے ایک "شاخِ عالیۂ لندن" اور ایک "شاخِ عالیۂ شمال" بھی ہیں، مجھے شرق و غرب سے اشارہ مل گیا کہ ان کی یہ تعریف لکھوں۔

شاید دنیا میں صرف ہم ہی وہ لوگ ہیں جو مونوریالٹی (ایک حقیقت) پر یقینِ کامل رکھتے ہیں اور اس کے اسرارِ عظیم کو درجہ بدرجہ اِدراک کر لیتے ہیں، جس کی برکت سے ایک میں سب کی موجودگی کا انمول خزانہ حاصل ہوا، اس کی بدولت ہم پر یہ حقیقت روشن ہونے لگی کہ ہم میں سے کسی ایک کی کامیابی ہم سب کی کامیابی ہے، علاوہ برآں "نظریۂ عالمِ شخصی" ہمارے لئے ایک عظیم علمی انقلاب تھا، جس سے علم و عرفان کے سارے عقدے کُھل گئے، اب ہماری روحانی سائنس کا چرچا ہونے لگا ہے،

ان شاء اللہ تعالیٰ، آئندہ ہونے والی تحقیق (ریسرچ)، سے یہ پتا چلے گا کہ ہماری تمام تر تحریروں کے ظاہر و باطن میں روحانی سائنس کے خزانے موجود ہیں۔ یہ سب کچھ تیرے فضل و کرم سے ہے یا ربّ العالمین! اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وّ آلِ محمّد۔

نصیر الدّین نصیر (حُبّ علی)، ہونزائی
کراچی
جمعرات ۲۹، جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ ۲۳، نومبر ۱۹۹۵ء

ISW
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	فہرستِ مضامین	صفحات نمبر
۱-	آغازِ کتاب	۱۱
۲-	جشنِ نوروز	۱۸
۳-	بہشت، اس کے دروازے	۲۳
۴-	کتاب الهمة، کا پہلا باب	۳۱
۵-	قرآن اور امامت	۳۷
۶-	حسن صباح کی گرانقدر خدمات	۴۲
۷-	کتاب الهمة، باب ۲	۴۵
۸-	کلامِ مولوی معنوی رومی	۵۲
۹-	علیؑ ہی تھا	۵۵
۱۰-	علم، یعنی دانش کے بارے میں	۶۰
۱۱-	آغازِ کتاب (وجہِ دین)	۶۳
۱۲-	میلاد الامام الحاضر	۶۸
۱۳-	خوش آمدید	۷۳
۱۴-	قالوا انا للہ ..... کی تاویل کے بارے میں	۷۵
۱۵-	انسان کے شرف کے بارے میں	۸۲
۱۶-	قصیدہ منتخب از دیوانِ قائمیات	۹۱
۱۷-	جلوۂ نورِ خدائی پیشوای مطلق	۹۸
۱۸-	خانہ اور صاحبِ خانہ	۱۰۰

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	فہرستِ مضامین	صفحات نمبر
۱۹۔	عملی تصوف کے روشن حقائق	۱۰۳
۲۰۔	وہ نور جس کے ذریعہ خدا دیکھا جا سکتا ہے	۱۰۶
۲۱۔	درشناختِ نفس	۱۱۰
۲۲۔	جشنِ نوروز کا ایک اور پہلو	۱۱۷
۲۳۔	درسِ روحانیت	۱۲۴
۲۴۔	اتحادِ مسلمین	۱۲۹
۲۵۔	امامِ برحق کا دیدارِ فیض آثار	۱۳۴
۲۶۔	ذکرِ الٰہی میں شفا	۱۴۲
۲۷۔	دل کا آسمان	۱۵۰
۲۸۔	نعتِ نبیِ اکرم صلعم	۱۵۳
۲۹۔	سردارِ رُسل کے وزیر	۱۵۷
۳۰۔	توحید	۱۶۵
۳۱۔	آیاتِ دعا کے بنیادی حقائق	۱۷۰
۳۲۔	حدودِ دین	۱۸۰
۳۳۔	اسلام دینِ حق۔ خدا کا قدیم دین	۱۸۹
۳۴۔	حکمتِ عددی	۱۹۷
۳۵۔	قرآن اور حقیقتِ شیعیت	۲۰۲
۳۶۔	الٰہی شناخت	۲۱۰

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

نمبر شمار	فہرستِ مضامین	صفحات نمبر
۳۷-	سورۂ مزمل کی چند حکمتیں	۲۱۸
۳۸-	انسانی کمال کی صفت	۲۲۳
۳۹-	خودشناسی	۲۲۷
۴۰-	نیک اعمال سے دوستی	۲۳۰
۴۱-	حکمتِ ناصری ع۱- حقائق و معارف	۲۳۳
۴۲-	عقیدۂ توحید	۲۳۸
۴۳-	تصوف کے جواہر پارے	۲۴۶
۴۴-	ہمہ اوست	۲۵۰
۴۵-	حکمتِ ناصری ع۲- حکمتِ حج	۲۵۶
۴۶-	گلدستۂ عقیدت	۲۶۲
۴۷-	حکمتِ ناصری ع۳	۲۶۵
۴۸-	حکمتِ ناصری ع۴	۲۷۰

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

آغازِ کتاب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ رحمیتنگ کے برکتنگ اُیون تھانمُ دمن (خداوند تعالیٰ) یکل ثوُم ژُرشیڈن، بیسکے اِن غیبے خزانہ مُڈسے مالک بای، اِنے (INEأ) قدرتے مُخُ لُو بیسن اُیون بی، اِنے رحمیتے سمندر بُٹ شوقُم دابُٹ غظُمُ، اِنے اوُسیں کے اُچھیسے نہ یرتے ڈرگار ثوُم بلہ بِنہ اِلجنے، اُیوشکو اُیوشکو داتھائکو تھائکو صفتنگ انے (INEأ) بڈن، ان ھنُمن غمیس بای، می میون ترق بان ببلکیا بان، اِنے ٹوک کائناتنگ اُغوُی بای کُلی خزانہ مُڈفس او مائبین امِڈا امِڈ نیا متشو میوای کے اِڈسے حقُ لو شکرگزاری امیمیا بان ، واعزیز تنگ! ژدین مُبٹ عاجزیے کامناجات کے فریات ایچن، تاکہ اِن نِرسے امایمی، بیسکے اِن بخشتو نو دار حمکش بای ۔

یا اللہ! جہ کھِنے غریبے اسے حالت اُنرسر کے بلہ، جہ ناچار دَحینُم با ڈھینُم با، خداوندا! جہ اُنے اُیُم شلُ کے محبتے دا پاک عشقے گنے ہمیشہ موتاج با، پروردگار! جیموُ دنے اس بیلٹے الیستُو خُمُ دلیتُو خُمُ؟ ڈثُوراس جھکُور اس کوُراٹی گپ اس دویان جہ ڈِگ حیران با ، اریگ ددر، قلم زرزل، حریڈ اُیون سیل غنڈیر تول غنڈیر، جیتے دمان! بیسن ھیئیم بیسن سیئیم، اریق ڈہ دُون، ارین

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ڈِہ دُدن۔

حضرتِ محمد مصطفٰے سیّدالانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ڈُمِ شوق کے عشقے کا جا روح فدا منسٗ ! جا اَ وَ اَمی کے اولات اُیون اِن ڈُمِ قربان! اسنے دلتشکو صفتِ ٹ بیان ایتس جہ ناچار یہ آمایم، اِنے صفت سُوجو سُومُولو قرآنُ لو بِلہ، اِنے تعریف خود یہ وردگارہ ایتای، قول بلہ: قرآن تمام وصفِ کمالِ محمدّ است۔

امامِ زمان علیہ الصّلاۃ والسّلام می انائے علوی بای، یعنی می جیّے جی (جانِ جان، جانِ جہان، جہانِ جان) اِنے عشقے مضی الیثِ اسقرِ ٹ ڈُمِ بِلہ، یہ گوُتے مضی باطنی بیا یمکژ ملی بِلہ، الحمد للہ۔

شہدِ بہشت — اس کتابِ عزیز کا پسندیدہ اور پُرکشش نام "شہدِ بہشت" ہے، احبّا و اعزّہ اور قارئینِ کرام پڑھ کر ہی بتائیں گے کہ کام اور نام کی مناسبت اور مطابقت کیسی ہے، اِن شاء اللہ، مولائے پاک کی علمی برکتوں کی وجہ سے یہ کتاب پڑھی جائے گی اور اس کی قدر ہو گی۔

اس دفعہ بھی گلگت میں ہمارے ہوشمند عزیزوں نے کچھ سوالات کئے، ان میں سے تھوڑے سائنسی انکشافات کے حوالے سے بھی تھے، جیسے پوچھا گیا: صاحب! علمِ تاویل کے مطابق ہم یہ تو مان لیتے ہیں کہ ہمارے نظامِ شمسی میں جو سورج ہے، وہ امام علیہ السّلام کی مثال ہے

لیکن اب سائنس کی روشنی میں یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ کائنات کے مختلف نظاموں میں بہت سے سورج موجود ہیں، تو کیا اب اس کی تاویل یہ ہو سکتی ہے کہ بیک وقت بہت سے امام موجود ہیں؟

جواب: (الف) حضرتِ امامِ عالی مقام علیہ السّلام ہمیشہ ایک ہی ہے، لیکن اس میں بیک وقت بہت سے ظہورات کا معجزہ ہے (ب) اگر یہ مان لیا جائے کہ ہر ستارہ مخلوقِ لطیف کا ایک عالم ہے، تو اس میں امامؑ کا ظہور بھی ضروری ہے (ج) مومن سالک کے روحانی سفر کے دوران اسرافیل و عزرائیل کی منزل میں بھی اور آگے چل کر مرتبۂ عقل پر بھی امامؑ اپنی نورانیت کی ہزاروں کاپیاں بناتا ہے، تاکہ بہشت میں ہر کامیاب روح امامِ عالی مقامؑ کی صورت میں ہو سکے (د) انسانِ کامل کا ایک قرآنی نام "نفسِ واحدہ" ہے، یعنی نفسِ کُلّ، جس کے اجزاء (کاپیاں بحدِّ قوّت) تمام انسان ہیں، جن کو پھیل کر کثیر بھی ہو جاتا ہے، اور واپس ہو کر اپنے کُلّ کے ساتھ ایک بھی ہو جاتا ہے۔

دوسرا سوال بھی سورج سے متعلّق تھا، وہ یہ ہے: اِذَا الشَّمۡسُ كُوِّرَتۡ۔ جب آفتاب بے نور ہو جائے گا (۸۱: ۱) حالانکہ اصل لُغوی ترجمہ یہ ہے: جب سورج لپیٹ دیا جائے گا۔ اس کی تاویلی حکمت یہ ہے کہ جس وقت عالمِ شخصی حظیرۃ القدس میں لپیٹ لیا جاتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ آفتابِ عقل کی پھیلی ہوئی روشنی بھی وہاں محدود ہو جاتی ہے، یہاں خُسُوف (چاند گرہن) اور کُسُوف (سورج گرہن) کا مختصر ذکر بھی ضروری

ہے کہ یہ خود نور کی ذات میں کسی نقص و کمی کی دلیل ہرگز نہیں، بلکہ خُسُوف چاند پر زمین کا سایہ ہے، اور کُسُوف چاند کا زمین اور سورج کے درمیان آکر آفتاب کی روشنی زمین تک نہ پہنچنے دینا ہے۔

امامؑ سب کے لئے

جب آپ یہ کہتے ہیں کہ آفتابِ عالم آرا حضرتِ امام علیہ السّلام کی مثال ہے تو اس کی یہ منطق بنتی ہے کہ امامِ برحقؑ باطن میں سب کے لئے کام کرتا ہے، کیونکہ مادّی طور پر سورج جمادات، نباتات، حیوانات اور انسان سب کو درجہ بدرجہ فائدہ بخشتا ہے، اور کس کو اس روشن حقیقت سے انکار ہو سکتا ہے کہ اللہ پاک سب کا خالق و رازق ہے، اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام عوالمِ شخصی کے لئے رحمتِ کُلّ ہیں پھر امامِ حق علیہ السّلام کا طریقہ قانونِ عدل کے خلاف کس طرح ہو سکتا، مگر ہاں، درجاتِ عمل ہیں، اور ترقی بہت پہلے بھی ممکن ہے اور بڑی دیر سے بھی۔

Knowledge for a united humanity

سفینۂ نوحؑ

علم کی مثال پانی ہے اور پانی کی مختلف شکلیں ہوا کرتی ہیں، چنانچہ پانی اگر اپنی راہ سے ہٹ کر طوفانی شکل میں آرہا ہو تو اس سے بربادی ہو جاتی ہے، اس کی تاویل یہ ہے کہ عوام علم کے پانی کو شروع شروع میں قطرہ قطرہ کر کے پی سکتے ہیں، اور رفتہ رفتہ ان کی ترقی ہو جاتی ہے، لیکن حضرتِ نوحؑ کی قوم نے اس عمل سے قطعاً انکار کیا، لہٰذا ان کو روحانی علم ہی کے طوفان میں ہلاک کیا گیا، سفینۂ نوح سے ان کے اہلِ بیت

مراد ہیں، کیونکہ کشتیٔ تاویل وہی حضرات ہیں، جیسے آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ آپؐ کے اہلِ بیتِ اطہار سفینۂ نوحؑ یعنی اہلِ بیتِ نوح کی طرح ہیں۔

اس کتاب کے مضامین

یہ مضامین جو اس کتابِ عزیز میں درج ہوئے اُس زمانے کے یادگار ہیں، جبکہ میں اسماعیلیہ ایسوسی ایشن برائے پاکستان کے عزیزوں اور دوستوں کے ساتھ مل کر مولائے پاک اور نیکنام جماعت کی خدمت انجام دیتا تھا، میری کتابِ زندگی مختلف ابواب پر مشتمل ہے، اور اس میں یہ باب بڑا اہم اور بابرکت رہا، اور میں نے خلوصِ نیّت سے جن عزیزوں کو اسماعیلی حکمت کی کچھ تعلیم دی، بفضلِ خدا ان کی بہت ترقی ہوئی، الحمد للہ ربّ العالمین۔

علم سیکھو اور سکھاؤ

اے نورِ عینِ من! میں نے اس مقولے کے مطابق عمل کیا ہے، تم بھی ایسا کرو، میں کبھی علم سیکھنے یا سکھلانے کے بغیر نہیں رہا، آج میرے پاس ظاہر و باطن میں جو کچھ علمی اسباب و ذرائع موجود ہیں، وہ "علم سیکھو اور سکھاؤ" کے اس زرّین مقولے کے مطابق ہیں، خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج ہم لاکھوں کی تعداد میں بڑا عجیب علمی لشکر ہیں، عجوبہ یہ ہے کہ یہاں کتابوں کی افواج بھی ہیں اور دعاؤں کے عسکر بھی۔

ڈاکٹر زرینہ کی گرانقدر خدمات

بورڈ آف میڈیکل ایڈوائزرز اینڈ پیٹرنز کی چیف محترمہ ڈاکٹر زرینہ (حسین علی مرحوم) کی روز افزوں اور انمول خدمات ہمارے شہرۂ آفاق علمی ادارے کی تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہیں گی، یہ بھی جذبۂ علم اور استاد سے محبت کی ایک خاص علامت ہے کہ انہوں نے اپنے گارڈن ویسٹ کے کلینک کو "نصیر میڈیکل سنٹر" کا نام دیا ہے، آپ نے ہر ضرورت پر ہم سے تعاون کیا اور کر رہی ہیں، اور ایک بڑی اہم اور عظیم خدمت ہمارے عظیم مہمانوں کے طعام و قیام سے متعلق ہے، مزید برآن آپ کے فرزندِ جگر بند کرنیل غلام مرتضےٰ صاحب یہاں اپنی زرّین خدمات کی ایک سنہری تاریخ مرتّب کر رہے ہیں، اور ان کی فرشتہ جیسی خوش خصلت بیگم ڈاکٹر امینہ مرتضےٰ بھی ہر خدمت میں شریک و شامل ہیں، عاجزانہ اور درویشانہ دعا ہے کہ خداوندِ تعالیٰ تمام علمی خادموں کو دونوں جہان کی کامیابی اور سرفرازی سے نوازے! آمین!

صدرِ خانۂ حکمت

تا حیات صدر فتح علی حبیب خدا پرست، مُحبِّ اہلِ بیتِ اطہار (علیہم السلام)، اور علم کے بڑے قدر دان مومن ہیں، ان کی اصلی و بُنیادی خوشی شب خیزی اور ذکر و عبادت میں ہے، آپ اکثر اپنے اُستاد کے علمی اور مناجاتی کیسیٹوں کو سنتے رہتے ہیں، علمی مجلس تو ان کی جان ہے، خداوند عالم نے ان کو دین کی بے شمار نعمتیں

عطا کر دی ہیں، ان بڑی بڑی نعمتوں میں خوش الحانی کی نعمت نمایاں ہے، جس کا عملی شکر گنان خوانی سے کرتے ہیں، آپ کی رفیقۂ حیات محترمہ گل شکر ایڈوائزر شرافت میں ایک ارضی فرشتہ ہیں، ان کی خدمات کی فہرست بڑی طویل ہے، یہ اپنے اُستاد کی بہت عزّت کرتی ہیں، اسی وجہ سے اُستاد نے کہا "آپ میری آسمانی بیٹی ہیں"، یعنی ایسی مدد کرنے والی سٹوڈنٹ بیٹی جو کسی مشقّت کے بغیر گویا آسمان سے دی گئی، اور یہ بہت بڑی بات ہے کہ حقیقت میں ہم سب ایک ہیں۔

فتح علی اور گل شکر کے تینوں بہت پیارے بچّے نزار، رحیم اور فاطمہ بڑے نیک بخت ہیں، کہ ان کی مذہبی پرورش سپیشل قسم کی ہو رہی ہے، یعنی گھر ہی میں ہر وہ چیز مہیّا اور موجود ہے جو بڑی عمدگی سے دین سیکھنے کے لئے ضروری ہوتی ہے، جیسے: اُستادِ کامل کی عملی تعلیم، کلاس، ریکارڈنگ، بولنے کی مشق، حوصلہ افزائی، ہر قسم کی کتابیں، سکالرز کے لیکچرز، مقالہ، ریسرچ کا موقع، پروف ریڈنگ، پریس کا تجربہ، مختلف زبانوں میں گنان خوانی، وغیرہ، یہ خصوصی رحمتیں اور برکتیں ان کو اور ان کے خوش نصیب والدین کو اور تمام عزیزوں کو بہت بہت مبارک ہوں!

آمین!!

ن۔ ن (ح۔ ع) ھ۔

کراچی

بدھ ۲۲ محرم الحرام ۱۴۱۶ھ ، ۲۱ جون ۱۹۹۵ء

جشنِ نوروز

از علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

نوروز کے معنی نئے دن کے ہیں لیکن اس سے مراد وہ یومِ جشن ہے جو سالِ نَو کی آمد پر موسمِ بہار کے آغاز ہی میں منایا جاتا ہے جس میں بُرجِ حمل سورج کے مقابل ہونے لگتا ہے اور جہاں سے مصریوں اور ایرانیوں کے شمسی سال کا نیا دن گنا جاتا ہے۔ جشنِ نوروز دنیا کے قدیم تہواروں میں سے ہے۔

جشنِ نوروز کی اہمیت ہر پیغمبر کے زمانے میں کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے لیکن اس کی پوری اہمیّت خاتم الانبیاء حضرت محمّد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے زمانے میں ظاہر ہوئی۔ جس طرح ان کی ذاتِ مطہرہ نبوّت پایۂ تکمیل کو پہنچی تھی چنانچہ اس مُبارک دن

حجۃ الوداع سے واپسی پر غدیرِ خم کے مقام پر آنحضرتؐ نے بامرِ خدا حضرت مولانا مرتضیٰ علی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو درجۂ وصایت پر مامور فرمایا۔ بہ روایت معتبرہ یہ یومِ سعید ۱۸ ذی الحجّہ ۱۰ھ مطابق ۲۱ مارچ ۶۳۲ء کا تھا، مقامِ غدیر کی نسبت سے یہ جشن اسلامی تاریخ میں عیدِ غدیر کے نام سے بھی مشہور ہے۔ رسول اللہ صلعم پہلے سے ہی جان چکے تھے کہ یہ ان کا آخری حج ہے اس لئے انہوں نے اس حج کو قبلاً ہی حجۃ الوداع کے نام سے موسوم کیا اور اعلان کیا گیا کہ یہ رسول اللہ کا آخری حج ہے۔ اس لئے تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار نفوس رسول اللہ کے ہمراہ حج کے لئے روانہ ہوگئے۔ جنابِ رسولِ خدا عرفات کے راستے میں تھے کہ سورت الم نشرح نازل ہوئی جس میں ان کے لئے خدا کا ایک عظیم امر یہ تھا: فاذا فرغت فانصب والی ربک فارغب (۹۴: ۷-۸) یعنی پس اے رسول جب تو اعمالِ حج سے فارغ ہو تو (اپنے وصی) کو مقرر کر اور اپنے ربّ کی طرف راغب ہو یعنی دنیا سے کوچ کر۔ پس معلوم ہوا کہ جشنِ نوروز بھی وہاں آ کر ظاہر ہوا جہاں مولانا علیؑ کا مرتبہ ظاہر ہوا تھا۔

سلسلۂ بیان کا مذکورۂ بالا حصّہ رسمی اور ظاہری جشنِ نوروز سے تعلق رکھتا ہے۔ اب ہمیں چشمِ بصیرت سے یہ دیکھنا ہے کہ جشنِ نوروز کی اس مثال کی حقیقت کیا ہے؟ اور حقیقی مومنوں کے لئے رُوحانی قسم کا جشنِ نوروز کون سا ہے؟ اور یہ سوال اس لئے پیدا ہو سکتا ہے

کہ ہر وہ جشن خواہ دینی قسم کا ہو یا دنیوی نوعیت کا، جب یہ زیادہ سے زیادہ جسمانی خوشی کے اسباب فراہم کرتا ہے تو وہ حقیقی اور روحانی جشن ثابت ہو نہیں سکتا بنا بریں ہر ظاہری عید کے مقابلے میں ایک خالص روحانی عید کا ہونا لازم آتا ہے کیونکہ ایک مشہور حدیث میں آیا ہے کہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی بنیاد اپنی خلق (ظاہری دنیا) کی طرح رکھی، تاکہ اس کی مخلوق سے اس کے دین کی دلیل لی جا سکے اور اس کے دین سے اس کی وحدانیت پر دلیل لی جا سکے۔

اب دینی بہار اور حقیقی جشن نوروز کا ذکر یہ ہے کہ جس طرح سورج کائنات کے وسط میں واقع ہے اور وہ اپنی جگہ سے نہیں ٹلتا۔ اسی طرح امامِ زمان کا اصلی نور ہمیشہ ایک ہی حال پر قائم ہے اور وہ کسی طرح بھی بدلتا نہیں، جس طرح کرۂ ارض کے مختلف حصے اس کی روزانہ اور سالانہ گردش میں روشنی اور تاریکی سے گزرتے ہیں اور سورج سے نزدیک و دور ہوتے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے زمین کے ان مختلف حصوں پر دن، رات، بہار، تابستان، خزان اور زمستان کے موسم گزرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح نفوسِ انسانی پر روحانی قسم کی شب و روز اور بہار و خزان کے موسم گزرتے رہتے ہیں۔ اور جس طرح کرۂ زمین کے قطبِ شمالی، قطبِ جنوبی اور دوسرے بہت سے بیابانوں میں فی الحال کوئی آبادی اور موسمِ بہار یا جشنِ نوروز کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا، اسی طرح بعض نفوسِ انسانی پر نورِ امامت طلوع ہونے

کے لئے ابھی کافی وقت باقی ہے اور جس طرح کرۂ زمین کے بعض علاقے خطِ استوا یا اس کے قریب ہونے کی وجہ سے اس کی نباتات نہیں مرتیں۔ اسی طرح بعض مومنین ایسے ہیں جن کے دل میں ہمیشہ امامِ زمان کی عقیدت ومحبت کی گرمی قائم رہتی ہے اور ان میں روحانی مسرت کے پھول کھلتے رہتے ہیں۔ آفتابِ امامت کی فیض بخشی کی یہ مثال خواص وعام کی اپنی ہی جسمانی وروحانی حیثیت سے ہے۔

اب اس سلسلے میں امامِ زمان کی جسمانی اہمیت وافادیت کی مثال سنئے! کہ سورج اور کرۂ زمین کے ذریعے نورِ امامت اور نفوسِ انسانی کی جو مثال دی گئی ہے وہ حقیقت ہے لیکن سورج میں اختیار نہیں اور امامِ زمان مختارِ کُل ہے، اس لئے ہم اس مثال کی مزید توضیح اس طرح کرتے ہیں کہ فرض کیجئے کہ روئے زمین پر ایک بہت ہی عجیب اور عظیم آئینہ نصب کیا گیا ہے۔ اب یہ عجیب آئینہ آفتابِ عالمتاب کا پُرنور عکس لئے ہوئے جس طرف کو رُخ کرلیتا ہے وہیں پر جشنِ نوروز کی خوشی اور موسمِ بہار کی خرمی وشادمانی ہونے لگتی ہے۔ یہی مثال امامِ زمان کی ہے، کیونکہ وہ ظہورِ جسمانیت کے اعتبار سے فیوضات وبرکاتِ خداوندی کا مظہر اور نورِ ازل کا آئینہ ہے، اندرین حال عوالمِ اسماعیلیت کا روحانی موسم ہمیشہ معتدل اور انتہائی خوشگوار رہتا ہے۔ اور ان عوالم میں ہمیشہ کے لئے بہار ہی بہار ہے، پس حقیقی جشنِ نوروز مومنوں کی انفرادی روحانیت میں پایا جاتا ہے، یعنی ہر مومنِ مخلص کی ابتدائی روحانی

ترقی ہی اس کا جشنِ نوروز ہے، اور وہ اسی طرح کہ جب مومن بحقیقت نورِ امامت کا مطیع و فرمان بردار بن جاتا ہے، تو اس کی شخصی دنیائے دل روحانی روئیدگی اور آبادی سے باغِ بہشت کی مثال ہونے لگتی ہے۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۰۶

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

بہشت،

اس کے دروازے اور اس کی کلید کے بارے میں

ماخذ از وجہ دین۔ حکیم ناصر خسروؒ

مترجم:۔ علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

ہم جو کچھ (یہاں حقائق کے سلسلے میں) کہتے ہیں، اس میں ہماری اپنی کوئی توانائی وطاقت نہیں، جب کہ (بموجب لاحول ولا قوّۃ الّا باللہ) توانائی وطاقت خدا ہی کی ہے، اور ہمارے قول میں جو کچھ بہتری ہے،

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

کہ وہ خدا کے ولی (امامِ زمان) کی نسبت سے ہے اور خطا و لغزش کا سبب ہمارا ضعیف نفس ہی ہے، پس ولئ زمان کی کرم فرمائی سے ہم یوں بیان کرتے ہیں، کہ بہشت حقیقت میں عقل ہی ہے اور بہشت کا دروازہ اپنے زمانے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ ہے اور اس کا وصی اپنی مرتبت میں اسی حیثیت سے ہے، اور امامِ زمان اپنے عصر میں یہی درجہ رکھتا ہے، اور بہشت کے دروازے کی کلید کلمۂ لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ محمد الرّسول اللّٰہ ہی ہے، پس جو شخص یہ شہادت اخلاص (بے ریائی) سے کہتا ہے، تو گویا اُسے بہشت کا دروازہ (رسولؐ) مل چکا ہے، اور جس نے اس شہادت کو اخلاص سے اپنا لیا، تو وہ شخص پیغمبر علیہ السلام کے ساتھ واصل ہوا، چنانچہ جس کو دروازے کی کلید ملتی ہے تو وہ دروازے کی طرف بڑھ جاتا ہے اور جو شخص شہادت کو خلوص سے اپنا کر رسول علیہ السّلام سے واصل ہوا، تو وہ شخص گویا بہشت میں داخل ہوا، چنانچہ جو کوئی کلید کے ساتھ دروازے کی طرف بڑھ جائے، تو دروازہ کھولا جا سکتا ہے۔

اس حقیقت کی دلیل جو ہم نے کہا کہ عقل ہی بہشت ہے، یہ ہے کہ انسان کی یہ ساری راحت، سہولت اور بے خوفی عقلِ کُل سے ہے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ انسانوں کو عقلِ کُل سے حصّہ ملا ہے (جس کی وجہ سے) انہوں نے چوپایوں پر کس قدر تکلیف، سختی اور خوف ڈال رکھا ہے اور وہ خود ان پر سردار رہتے ہیں، کیونکہ ان چوپایوں میں عقل نہیں، اور

جو شخص زیادہ دانا ہے، تو اُسے دنیا کوئی دُکھ دے نہیں سکتی، دنیا کا کوئی غم اس کی طرف بڑھ نہیں سکتا، اور اُسے دنیاوی نفع و نقصان کی کوئی پرواہ نہیں، لیکن نادان مالی نقصان کے غم، گناہ، دُکھ اور دنیاوی طمع کی وجہ سے گویا مر ہی جاتا ہے پس اتنی سی عقلِ جزوی کے ذریعہ، جو لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بطورِ حصّہ ملی ہے، اس قدر دُکھ ان سے اُٹھ گیا ہے، تو یہ حقیقتِ حال اس امر کی دلیل ہوئی کہ عقلِ کُل ہی بحقیقت بہشت ہے، کیونکہ اسی کے اثر سے دنیا میں ساری نعمتیں اور راحتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں، اور جو شخص زیادہ دانا اور عقل کے زیادہ نزدیک ہے، تو وہ بہشت کا دروازہ ہے، چنانچہ رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوقات میں سے عقل کے زیادہ نزدیک تھے، آپ کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو علم سکھایا کریں اور مسلمانوں کو اس میں کوئی شک ہی نہیں، کہ پیغمبر علیہ السّلام بہشت کا دروازہ ہے، پس ثبوت ہوا کہ حقیقت میں عقل ہی بہشت ہے۔

اب اس بارے میں دلیل پیش کی جاتی ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت کا دروازہ ہے، چنانچہ ہمارا بیان یہ ہے، کہ کسی مقام کا دروازہ وہ ہوتا ہے جس کے بغیر اور کہیں سے اس مقام میں کوئی شخص داخل ہو نہیں سکتا، اور یہ حقیقت ہے کہ کوئی شخص بہشت میں داخل نہیں ہو سکے گا، مگر وہی شخص جو رسول مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی فرمانبرداری

کرے، اس کے نزدیک ہو جائے، اس کے فرمان کو قبول کرے اور اس کے قول و عمل کی حقیقت کو سمجھے، کیونکہ رسول کی فرمانبرداری اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: مَنۡ یُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ ۴/۸۰ یعنی جس شخص نے رسولؑ کی فرمانبرداری کی، اُس نے خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔ اسی طرح ہی ہر رسولؑ اپنے دَور میں بجدِ قوت بہشت کا دروازہ رہا ہے، اس وجہ سے کہ اس کی فرمانبرداری کے راستے پر چلتے ہوئے اُس کی شریعت پر علم کے ساتھ عمل کرنے سے کوئی انسان بہشت میں پہنچ سکتا ہے، اور جو شخص رسول کی شریعت کو علمِ تاویل کے بغیر قبول کرے، تو اس شخص کو بہشت کا دروازہ مقفل ملا ہوا ہوتا ہے، اور جو شخص عمل دانش سے کرے، تو اس کے لئے بہشت کا دروازہ کھُل جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قولہٖ تعالےٰ: وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّهُمۡ اِلَی الۡجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوۡهَا وَفُتِحَتۡ اَبۡوَابُهَا ۳۹/۷۳ اور جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے تھے وہ گروہ گروہ ہو کر بہشت کی طرف روانہ کئے گئے یہاں تک کہ جب وہ اس کے پاس آئے تو بہشت کے دروازے کھول دئے گئے۔ یہ جو فرماتا ہے کہ بہشت کے دروازے کھول دئے گئے تو اس آیت سے یہ ظاہر ہوا کہ اُن کے آنے سے پیشتر بہشت کے دروازے بند کئے ہوئے ہوں گے، اور ان کے آنے کے بعد کھول دئے جائیں گے، اس قول کے یہ معنی ہوئے، کہ انبیاء علیہم

السّلام کی شریعتیں سب کی سب اشارات وتمثیلات کے ذریعے بندھی ہوئی ہوتی ہیں، اور لوگوں کی نجات ان کے کھولنے میں پوشیدہ ہے، جس کی مثال ایک ایسے بند دروازے کی طرح ہے کہ جب وہ کھل جاتا ہے تو لوگوں کو آرام کی جگہ ملتی ہے اور کھانا پینا مہیا ہوتا ہے، جب بہشت کا دروازہ بند کیا ہوا ہو تو اصولاً دوزخ کا دروازہ کھولا ہُوا ہو گا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :۔ وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَى جَهَنَّمَ زُمَرًا حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا ۳۹/۷۱ اور جو کافر تھے وہ جہنّم کی طرف گروہ گروہ بنا کر ہانکے گئے، یہاں تک کہ جب وہ اُس کے پاس آئے، تو دوزخ کے دروازے کھول دیئے گئے، بہشت کے دروازے کا کھُل جانا کتاب (قرآن) اور شریعت کی تاویل سے متعلق ہے، اور تاویل کا مالک ہر رسول کا وصی ہوتا ہے، اور بہشت کا دروازہ کھُل جانے سے اصولاً دوزخ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، پس رسول بہشت کے دروازے کی حیثیت سے ہے، اور بہشت کا دروازہ کھولنے والا اس کا وصی (علی علیہ السلام) ہے، نیز (ہر زمانے میں) سارے مومنوں کے لئے (دروازۂ جنت کھولنے والا) امام زمان ہے۔

جب ہم نے یہ ثابت کر دیا، کہ رسول علیہ السّلام بہشت کے دروازے کی حیثیت سے ہے، اور اس کا وصی اس دروازہ کا کھولنے والا ہے، تو اب ہم بہشت کے دروازے کی کلید کے بارے میں بیان کرتے ہیں اور اس حقیقت کی دلیل لاتے ہیں، کہ بہشت کے دروازے کی کلید کلمۂ

شہادت ہے، چنانچہ اس کی تشریح کی جاتی ہے کہ کلید وہ چیز ہے جس کو حاصل کئے بغیر کوئی شخص کسی مقفل دروازے کے پاس جانا نہیں چاہتا یہی وجہ تھی کہ جس شخص نے کلمۂ شہادت قبول کر لیا، تو وہ محمد رسول اللہ کی طرف آیا اور جس شخص نے کلمۂ شہادت اخلاص سے کہا تو رسول علیہ السّلام نے اسے بہشت کا وعدہ کیا، **اس حدیث کے** بموجب جو فرماتا ہے:

من قال لَا اِلٰہ اِلاَّ اللّٰہ خالصًا مخلصًا دخل الجنّۃ جس شخص نے کلمۂ اخلاص پاک دلی سے کہا تو وہ بہشت میں داخل ہوا پس یہ اس بات کی دلیل ہوئی کہ یہی کلمۂ شہادت بہشت کے دروازے کی کلید ہے، یہاں تک کہ جب یہ کلید لوگوں کو مل جائے، تو وہ بہشت میں داخل ہو سکتے ہیں اور جس کو یہ کلید) نہ ملی تو وہ بہشت سے محروم رہ جاتا ہے۔

پس بتا دیا جاتا ہے، کہ کلمۂ "لا اِلٰہ الا اللّٰہ محمّد الرّسول اللّٰہ"، سات الفاظ پر مشتمل ہے۔ (لا۔ الٰہ۔ الاّ۔ اللّٰہ۔ محمّد۔ الرّسول۔ اللّٰہ) جو نو حروف سے بنا ہے، چنانچہ، ل، ا، ہ، م، ح، د، ر، س، و، اور اس میں دو گواہیاں ہیں (لَا اِلٰہ اِلاّ اللّٰہ(۱) محمّد الرّسول اللّٰہ(۲)) اور کلید کو عربی میں مِفتاح کہتے ہیں، اور ان پانچ حروف یعنی "مفتاح"، کے حساب کا مجموعہ پانچ سو انتیس ہوتا ہے اور پانچ سو انتیس (۵۲۹) کے (دس دس کے اعدادِ کاملہ کے حساب سے) سات "عقد" بنتے ہیں، جو مذکورہ دو شہادتوں کے سات

الفاظ کے برابر ہے، جن سے مذکورہ دو شہادتیں بنی ہوئی ہیں، اور یہ کلمہ دو شہادتوں پر مبنی ہے، جس طرح کلید دو چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے جو حصّے میں جدا جدا مگر اتصال میں ایک ہیں، وہ کلید کا دستہ اور دندانہ ہیں اور مومنوں کا یہ کلمۂ اخلاص کہنا، قفل کھولنے والے کے چابی گھمانے کی مثال ہے، تاکہ اُس سے دروازہ کھُل جائے۔

پس ہمارا یہی قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہشت کا مقفّل دروازہ ہے، جس کی کلید کلمۂ اخلاص میں ہے۔ مومن نے یہ کلید پکڑ رکھی ہے، اور امامِ زمان مومن ہی کے ہاتھ سے اس چابی کا گھمانے والا ہے، تاکہ دروازہ کھُل جائے۔ اس قول کی حقانیّت کی گواہی یہی ہے جو کچھ اللہ تعالےٰ اپنے رسول سے فرماتا ہے: قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيمُ ۳۴/۲۶ یعنی کہہ دیجئے کہ ہمارا پروردگار ہمارے درمیان جمع کرے گا، اس کے بعد ہمارے درمیان کھول دے گا اور وہ دانا کھولنے والا ہے۔ اس معنی سے اللہ تعالیٰ کی مراد یہ ہے کہ جب لوگ رسول کے دین کو قبول کرتے ہیں، تو اس کے ساتھ یہی ان کا جمع ہونا ہے، اس کے بعد تاویل کا مالک شریعت کے بند کو شریعت کے تاویل کے ذریعے کھول دے گا، تاکہ مومن کو معلوم ہو جائے، کہ اس طرح کی شریعت سے جو رسول نے رکھی، اور اس قسم کی مثالوں سے جو اس نے بیان کیں، کیا مراد تھی، تاکہ مومن اس پر بصیرت سے عمل کرے،

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

ہم نے اپنے زمانے کے انداز پہ بہشت اور اس کے دروازے کی کلید کا بیان کیا۔

والسلام

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۰۷

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

"کتاب الھمہ" کا پہلا باب

مصنّف :- سیّدنا قاضی نعمان، قاضیٔ قضاۃِ دولت فاطمیہ
مترجم : علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائی

(باب - ۱)

اُن اُمور کا بیان جو ائمہ صلوات اللہ علیہم کے پیرووں کو بجالانے چاہئیں یعنی ائمہ کی ولایت پر اعتقاد رکھنا، ان کی امامت پر ایمان لانا اور ان کی اطاعت کرنا۔

یہ باب تمام بندوں کے لئے لازم ہے، اور اگر میں اس کو مفصّل طور پر لکھ دوں، تو یہ اس کتاب کی (مقرّرہ) حد سے بڑھ جائے گا، اور مجھے ایک جداگانہ کتاب لکھنے کی ضرورت پیش آئے گی، لیکن میں اس

میں سے ایک قابلِ ذکر حصّے کا بیان کر دیتا ہوں (اس باب کی یہ اہمیّت کیوں نہ ہو) جب کہ اُئمّہ (برحق) کی ولایت کا اعتقاد، ان کی امامت کو ماننا اور ان کی فرمان برداری ہی اُس حقیقت کی جڑیں اور بنیادیں ہیں، جس کے لئے اس کتاب کا لکھنا واجب ہوا ہے اور یہ وہ اوّلین چیزیں ہیں، جن کے ذکر سے اس کتاب کا آغاز اور افتتاح ہونا چاہیئے۔

وہ شخص جس نے اُئمّہ کے حقّ کو پہچانا ہو، اور ان کی امامت پر اعتقاد رکھا ہو، جب وہ ان کی اہمیّت دیکھ پائے اور ان کے امر بجا لائے، جس کے بارے میں وہ دیکھتا ہے، کہ وہ اُس پر اللہ تعالیٰ کا ایک ضروری فرض اور ایک لازمی حقّ ہے تو اس کے دل میں ان کی بزرگی انتہائی عظیم اور اس کی آنکھوں میں ان کی ہیبت بہت ہی بڑی نظر آتی ہے، بہ نسبت دنیا کے بادشاہوں کی اُس بزرگی اور ہیبت کے، جو ان کے تابعداروں کے دلوں میں اور ان کی آنکھوں میں ہوا کرتی ہے (اماموں کی یہ جلالت و ہیبت کیوں نہ ہو) جبکہ خدائے عزّوجلّ (تبارکت و تقدّست اسماؤہ) نے اپنی کتاب میں ان کی فرمانبرداری اپنے بندوں پر فرض کر دی ہے اور اُس نے اس فرمانبرداری کو اپنی فرمانبرداری اور اپنے رسولؐ کی فرمانبرداری سے وابستہ کر دیا ہے، پس فرمایا اور وہی تو سارے کہنے والوں میں سب سے سچّا ہے ۔ اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول و اولی

الامر منکم ۴:۵۹ تم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو اور رسولؐ کی فرمانبرداری کرو اور صاحبانِ امر کی فرمانبرداری کرو جو تم میں سے ہیں"۔

پھر اللہ تعالےٰ نے ائمہؑ صلوات اللہ علیہم کے مذکورہ پیرو طبقات میں شامل ہونے کے لئے جس شخص کو مخصوص کر دیا ہو، اس کے لئے یہ مہربانی کی ہو اور اس پر یہ انعام فرمایا ہو، تو اس کو ان کی امامت پر اس شخص کی طرح اعتقاد رکھنا چاہیئے، جو دیکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان کی خوشنودی اس کے پروردگار کی خوشنودی کے ساتھ ملی ہوئی ہے اور ان کی ناراضگی اس کی ناراضگی کے انتہائی نزدیک ہے، پس اس (اعتقاد کی وجہ) سے وہ اس بہترین عمل کو اختیار کرتا ہے، جس سے خدا کی اس خوشنودی (کے حصول) کے لئے اُمیّد کی جا سکتی ہو، جس کا بدلہ جنّت مقرّر کی گئی ہے، اور وہ اُس چیز سے دُور رہتا ہے، جس سے خدا کی وہ ناراضگی لازم آتی ہو، جس کی سزا آتشِ (دوزخ) مقرّر کی گئی ہے، اور وہ (امامت کا معتقد) اپنے نفس کو اس چیز کی ترغیب دیا کرتا ہے، جو اس کو اماموں کے (نزدیک سے) نزدیک تر کر سکتی ہے، اور اس کو ان کے حضورِ خاص تک لے جا سکتی ہے۔

اور وہ اُس (عمل کے انجام دہی کے سلسلے) میں اپنے نفس کے خلاف جہاد کرتا رہتا ہے، جو (عمل) اماموں کے لئے پسندیدہ اور ان کی خواہش کے مطابق ہے اور ان کو اس سے خوشی حاصل ہو سکتی ہے (اور امامت کے حقیقی عقیدت مند کا یہ نفسانی جہاد اسی طرح ہمیشہ جاری

رہتا ہے)، ہر اُس چیز میں جو اُس کو تو پسند ہی ہے (مگر نفس اس کو پسند نہیں کرتا) اور ہر اس چیز میں جو اس کو خوش کرتی ہے (مگر نفس تو اس سے خوش ہو نہیں سکتا)، اور ہر اس چیز میں جو اُس کو ناراض کر دیتی ہے (لیکن نفس تو اس کے لئے راضی ہی ہے) تاکہ وہ اس چیز کے سبب سے، جس میں اس کی ناراضگی تھی، اپنے نفس کی ریاضت (اصلاح) کی طرف رجوع کر سکے، اور اُس کو (حصولِ رضا کی غرض سے) اس میں مانوس کرتا رہے یہاں تک کہ وہ (عقیدے کے طور پر) اپنی ناراضگی کو خوشنودی میں اور ناپسند کو پسند میں تبدیل کر سکتا ہے، نیز جب بھی یہ بیماری (ناراضگی) اس میں پائی جائے، تو وہ اس میں اللہ تعالٰے سے بخشش طلب کرتا ہے، اور جانتا ہے کہ (اس کے نفس کی) یہ ناراضگی گناہوں میں سے ایک بڑا گناہ ہے، نیز یہ بھی جانتا ہے کہ اس (فعلِ ناراضگی) سے توبہ ہو نہیں سکتی، بجز آنکہ اس سے قطعی چھٹکارا حاصل کیا جائے (یعنی ہر قسم کی ذاتی ناراضگی کی بیماری کو جڑ سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے) یہاں تک کہ وہ اسی چیز سے ہی راضی ہو، جس سے ائمّہ راضی ہوئے ہیں اور وہ اسی چیز سے ہی ناراض ہو جس سے وہ ناراض ہوئے ہیں، اور وہ اسی چیز کو پسند کرے، جس کو انہوں نے پسند کیا ہے، اور وہ اسی چیز کو ناپسند کرے جس کو انہوں نے ناپسند کیا ہے، اور وہ اپنے قول، فعل، نیّت اور عمل میں بس یہی اعتقاد رکھتا ہے، اگرچہ اس میں اس کی اپنی موت واقع ہو جائے اور اس کے خاندان، مال اور اولاد

ہلاک ہوجائیں، اور وہ سارے امور میں اماموں کی رضا کارانہ تابعداری کرتا ہے، مجبورانہ تابعداری نہیں، وہ جانتا ہے کہ اگر وہ ایسا نہ کرے اور (پوری طرح سے) یا تھوڑی سی اس کی خلاف ورزی کرے، تو خدائے تبارک وتعالےٰ کے اس قول کے بموجب وہ مومن ہو نہیں سکتا ہے:

"فلا وربّك لا یؤمنون حتّیٰ یحکّموك فیما شجر بینھم ثمّ لا یجدوا فی انفسھم حرجًا ممّا قضیت ویسلّموا تسلیما ۶۵ پس (اے رسول) تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچّے مومن نہ ہوں گے جب تک اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم (نہ) بنائیں، پھر (یہی نہیں بلکہ) جو کچھ تم فیصلہ کرو اس سے کسی طرح دل تنگ بھی نہ ہوں بلکہ خوش خوش اس کو بھی مان لیں۔"

پس اللہ تعالےٰ (جلّ ذکرہ) کی طرف سے اس کے رسول کے لئے مومنوں پر یہی فرض ہے، جس کی فرمانبرداری اللہ نے اپنی فرمانبرداری کے نزدیک رکھی ہے، اور اماموں کی فرمانبرداری رسولؐ کی فرمانبرداری کے نزدیک رکھی ہے اور ان کو رسولؐ کے بعد امت کیلئے نائبین مقرر کر دیا ہے، اللہ تعالیٰ رسولؐ کے وسیلے سے اور اُن کی ذرّیت کے نیکوکار، برگزیدہ اور پسندیدہ اماموں کے وسیلے سے رحمت بھیجے!

پس اس اندازہ اور ترتیب سے اس ضروری فرض (کے سلسلے) میں نیّت، قول، عمل اور قبولیت کے طور پر ہر امام کی تکریم، تعظیم،

فرمانبرداری اور تابعداری کرنا اس کے زمانے اور عصر والوں پر لازم ہے، اس میں تو کوئی شک ہی نہیں کہ (انبیاء و اُئمہ) کی فرمانبرداری ایک ہی ہے اور ملی ہوئی ہے، جس کو اللہ تعالے نے اپنی فرمانبرداری کے نزدیک کر دیا ہے، اور وہ اپنی ساری مخلوقات سے برتر اور بزرگ تر ہے، اور اس کے بندوں پر کسی اعتبار سے بھی اُس کا قیاس نہیں کیا جا سکتا ہے پس کسی فرمانبردار کی فرمانبرداری قبول نہیں ہوتی ہے مگر اس کے اولیاء (اُئمہ برحق) میں سے اس شخص کی فرمانبرداری کرنے سے، جس کی فرمانبرداری اس پر فرض کی گئی ہے، اور کوئی شخص (صرف) اسی پر ہی مومنوں کی جماعت میں شامل نہیں ہو سکتا، مگر یہ کہ وہ شخص جو اس کے اصفیاء (انبیاء) میں سے اس شخص کی تابعداری (تسلیم) کرے، جس کی تابعداری کے لئے امر ہوا ہے، اور اس بیان میں، جو ہم نے اس باب میں کر دیا ہے، عقل و دانش والوں کے لئے جو کچھ ہے وہ کافی ہے (یعنی کوئی بھی ضروری اور مختصر مطلب اس سے باہر نہیں) جبکہ وہ شخص تدبّر (تفکّر) سے کام لے، جس کے فہم کو حقِ تدبّر کی توفیق دی گئی ہو، انشاء اللہ۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۰۸

قرآن اور امامت

از علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

ہم ذیل میں امامت کے متعلق چند کلیدی سوالات اور ان کے قرآنی جوابات پر مشتمل ایک پُر معلومات اور اہم مضمون کی طرف آپ کی توجّہ مبذول کراتے ہیں :۔

سوال نمبر ۱ :۔ دین میں لفظِ "امام،، کا استعمال کب سے شروع ہُوا ؟

جواب :۔ لفظِ "امام،، خواہ اصلی صورت میں ہو یا مترادفات میں، ہر چند کہ امام اور امامت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ السّلام پر آکر زیادہ نمایاں ہوا ہے، مگر یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، کہ یہ لفظ حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانے سے ہی اسی مطلب کے لئے استعمال ہوا ہے، اور لفظِ "امام،، شروع ہی سے ایک جامع قسم کی دینی اصطلاح ہونے کی دلیل یہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ہر زمانے کے لوگوں کو ان کے امامِ زمان کے ذریعے بُلائے گا، اور ظاہر ہے کہ سب سے پہلے تو حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانہ والوں کو ان کے امامِ زمان کے ذریعے بُلایا جائے

گا، چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:۔

یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۱۷/۷۱ یعنی جس روز ہم ہر (زمانے کے) لوگوں کو ان کے امام کے ذریعے بلائیں گے۔ پس اس بیان سے نہ صرف یہی ثابت ہُوا، کہ لفظِ "امام"، اور اس کے ہم معنی الفاظ حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانے ہی سے خاص قسم کی دینی اصطلاحات بنے ہوئے ہیں، بلکہ ساتھ ساتھ یہ ثبوت بھی ملا، کہ کوئی وقت ایسا نہیں گزرا ہے، جس میں لوگوں کے درمیان امامِ برحق موجود اور حاضر نہ رہا ہو۔

سوال نمبر ۲:۔ لفظِ "امام"، کا معنوی خاصہ کیا ہے؟

جواب:۔ لفظِ "امام"، کی اس معنوی خاصیّت کا بیان، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اِس لفظ کو امامت جیسی ہمہ گیر حقیقت کی ترجمانی کے لئے دوسرے تمام الفاظ سے منتخب فرمایا ہے، یہ ہے کہ جس طرح دوسرے بہت سے الفاظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی ہوا کرتے ہیں، اسی طرح لفظِ "امام" کے بھی لغوی اور اصطلاحی دو قسم کے معنی ہیں، نیز یہاں اس امرِ واقع کا بھی ذکر کر دینا لازمی ہے کہ بعض مثالوں میں ایک ہی اصطلاح کے معنی مختلف گروہوں کے نزدیک مختلف ہوا کرتے ہیں، اندریں صورت سب سے پہلے یہ دیکھنا لازمی ہوتا ہے، کہ یہ اصطلاح قرآن پاک کے موضوعات کے سلسلے میں کِن کِن تفصیلات کی حامل ہے اور ان تفصیلات کا فیصلہ کس نوعیّت کا ہے وغیرہ، اس کے علاوہ قرآنِ حکیم میں بہت سے

ضروری الفاظ ایسے بھی ہیں، جن کے لُغوی معنوں کو واضح اور بے بدل مثالوں میں محفوظ رکھا گیا ہے، چنانچہ لفظِ "امام"، "اُمّ" سے مشتق ہُوا ہے، اور "اُمّ" کے معنی ہیں اصل، جیسے اُمّ الکتاب یعنی کتاب کی اصل، نیز لفظِ امام کی ایک اور صورت "اَمَام" ہے، جس کے معنی ہیں آگے، اس لفظ کی ایک اور صورت "اُمَّۃٌ" ہے، جس کے معنی ہیں جماعت اور مدّت، اور اس لفظ کی آخری صورت "امام" ہے، یعنی پیشوا یا سردار، پس اگر ان الفاظ کی بغور تحقیق کی جائے، تو معلوم ہو جاتا ہے، کہ ان تمام الفاظ کی معنوی گہرائیوں میں ایک طرح کی "لامحدودیّت" موجود ہے، وہ اس طرح کہ: (۱) ہر چیز اپنی "اصل" سے آئی ہوئی ہے، اور اپنی اصل سے جا ملنے والی ہے، پس ہر چیز اپنی اصل ہی میں محدود ہے، اور ہر اصل اپنی چیزوں پر حاوی ہے اور وہ لامحدود ہے (۲) "آگے" کا مطلب زمان و مکان کی لاانتہائی کی طرف اشارہ ہے (۳) "جماعت" افراد پر محیط ہے اور افراد جماعت کے اندر محدود ہیں (۴) "مدّت" وقت کا لاانتہا سلسلہ ہے اور وہ اپنے اجزاء یعنی سال مہینے، ہفتے، دن اور رات پر حاوی ہے، اور یہ اجزاء اس کے اندر محدود ہیں (۵) "پیشوا" اپنے دینی علم و دانش کے ذریعے اپنے مریدوں پر حاوی ہے، اور مرید اپنے پیشوا کی علمی حیثیّت میں سموئے ہوئے ہیں اور (۶) "سردار" اپنی قوم پر ضبط و تدبُّر کے ذریعے چھایا ہُوا ہے، اور اس کی قوم اس کی تنظیم میں سمٹی ہوئی ہے، پس لفظ امام کا لُغوی تجزیہ اور اس کا خاصّہ یہی ہے، کہ یہ لامحدُودیّت

کا حامل ہے۔

سوال نمبر ۳ :۔ امام کا دائرۂ عمل کیا ہے ؟

جواب :۔ امامِ زمان کے دائرۂ عمل کی وُسعت کے متعلق بیان یہ ہے کہ امامِ زمان کی عقل اور روح خدائے برتر کے نور کی حیثیّت سے، اور عقلِ کُلّ و نفسِ کُلّ یا عرش و کرسی وغیرہ کے ناموں سے کائنات اور موجودات پر چھائی ہوئی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَكُلَّ شَيْءٍ أَحْصَيْنَٰهُ فِىٓ إِمَامٍ مُّبِينٍ ۳۶/۱۲ اور ہم نے ہر چیز (کائنات و موجودات) کو امامِ ظاہر (کے نور) میں گھیر کر رکھا ہے، مولوی معنوی اپنی ایک پُر معرفت نظم میں ہُو بہُو اسی مطلب کی تشریح فرمارہے ہیں، جس کے ابتدائی دو شعر بطورِ نمونہ ملاحظہ ہو :۔

آن امامِ مُبین و لیِّ خدا
آفتابِ وجودِ اہلِ صفا

ترجمہ :۔ وہ امامِ ظاہر، خدا کا ولی اور اہلِ صفا کے وجود کا سورج (نور) ہے۔

آن امامے کہ قائم است بحق
در زمین و زمان و ارض و سما

ترجمہ :۔ وہ امام جو یقیناً (اپنے نوری وجود سے) زمین، زمانہ، عرش اور فرش پر قائم ہے، پس ان تمام باتوں کے خلاصے سے یہ ثابت ہوا، کہ امامِ زمان کا دائرۂ عمل لامحدود ہے، اور اس دائرے میں کائنات

وموجودات محدود ہو کر رہی ہیں۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۰

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حسن صباح کی گرانقدر خدمات

ایران اور امامی مذہب کی آزادی کیلئے

از کتاب: تاریخ خُلفای فاطمی رضوان اللہ علیہم اجمعین (فارسی)

مؤلف: عبدالرحمٰن سیف آزاد مدیر مجلّہ ایرانِ باستان

مترجم: علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

صاحبِ روضۃ الصّفا کے قول اور تشریحات سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے، کہ حسن صباح، اُس کی تمام تنظیمات اور اُس کے سارے طرفدار لوگ شرعی رسُوم کو جیسا کہ چاہئے بجالایا کرتے تھے، حسن صباح پر لگائے ہوئے الزامات کی وجہ یہ ہے، کہ عباسی غاصب خلفاء کے جانبداروں اور امامی مذہب کے مخالفوں کی ان سے خاص دشمنی تھی اور حسن صباح جیسے تاریخ کے عظیم مرد کے بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس میں اس زمانے کے اپنے اور پرائے اہل اقدار کے مذہبی خشک تعصبات کی بناپر غلطی، دشمنی، بدخواہی اور غرض مندی سے کام لیا گیا ہے۔

اس مردِ عظیم کی سرگزشت اور تاریخی حالات اُن کتابوں سے مل

سکتے ہیں، جو تاریخِ جوینی، روضتہ الصفا اور مجالس المومنین کے نام سے عربی اور فارسی زبان میں مُرتّب ہو کر چھپ چکی ہیں اور اُن مورخین کے آثار سے (یہ حالات مل سکتے ہیں) جو مذہبی تعصّبات سے بری ہیں، جنہوں نے حسن صباح کی غالبیّت سے لے کر اِس کی تنظیم کے آخری وقت تک (جس کے لئے ایک سو چھیّتر سال کا وقت لگا ہے) کوئی تردید نہیں لکھی ہے، جب ہم ان کتابوں کی طرف رجوع کر کے انصاف اور گہری نظر سے ان کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اِس مردِ آہن نے ایران اور امامی مذہب کے استقلال اور آزادی کے سلسلے میں ایک عظیم خدمت انجام دی ہے اور اُس نے ترکی غاصب حکومتوں اور عبّاسی غاصب خلفاء (جو ایران اور اُئمہ ہُدیٰ کے سب سے بڑے دشمن تھے) کی حیثیتوں اور اثر ولفوذ پر مناسب وقت میں بڑی بڑی کاری ضربیں لگائی ہیں، چونکہ اکثر مؤلّفین، عرب کے مصنّفین یا وہ ایرانی جن کی کچھ تالیفات عربی میں تھیں، نیز سیک اور عربی ادب کے چاہنے والے سب (حسن صباح کے) مخالف تھے، اس لئے انہوں نے ایک دوسرے کی تقلید کرتے ہوئے سیاسی اغراض اور اُس زمانے کے اہلِ اقتدار کو خوش کرنے کے لئے اپنے تراشے ہوئے الزامات و اتّہامات کے ذریعے اس مردِ عظیم اور اس کی تنظیمات کی گرانقدر خدمات اور کارناموں کو اُلٹے طریقے سے پیش کیا ہے، کیونکہ وہ غیروں کا بڑا زبردست مخالف اور ایران کے دشمنوں خصوصاً غاصب بنی عبّاسی

خلفا اور سلجوقی خونخوار ترکوں کا جان لیوا دشمن تھا۔

چاند رات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۰

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

"کتابُ الہمّہ" بابُ ۲

مصنّف :۔ سیّدنا قاضی نعمان، قاضی قضاۃ دولتِ فاطمیّہ
مترجم :۔ علاّمہ نصیر الدّین نصیر ہونزائیؔ

أئمّہ حق (علیہم السّلام) کی محبّت و وِلا کے واجب ہونے کا بیان

اللہ تعالیٰ جلّ ذکرہٗ اپنے نبی محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے:

قُلْ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی ۲۳/۴۲۔ آپ (اُن سے) کہہ دیجئے کہ میں تم سے اس (تبلیغ رسالت) کا کوئی صِلہ نہیں مانگتا، سوائے اپنے قرابت داروں کی دوستی کے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آپ کے قرابت دار کون ہیں؟ تو آنحضرتؐ نے فرمایا، کہ علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا :۔

"مَنْ احبّہم فقد احبّنی ومن ابغضہم فقد ابغضنی۔

معنی :۔ جو شخص ان کو دوست رکھے، تو یقیناً اس نے مجھے

دوست رکھتا ہے، اور جو شخص ان کو دشمن رکھے، تو یقیناً اس نے مجھے دشمن رکھا"

اور فرمایا:۔

"لا یحبُّ علیّا الّا مومن ولا یبغضہ الّا منافق۔

علی کو مومن کے سوا اور کوئی شخص دوست نہیں رکھتا ہے، اور منافق کے سوا اور کوئی شخص اسے دشمن نہیں رکھتا"

پھر (رسول کے بعض اصحاب) یہ کہا کرتے تھے کہ ہم رسول اللہ (صلعم) کے زمانے میں علی (علیہ السّلام) کی محبّت، دوستی اور تفضیل (کے متعلق لوگوں کے اقوال و اعمال دیکھنے) کے سوا مومنوں کو منافقوں سے (جدا) نہیں پہچان سکتے تھے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے زمانے والوں کو علی (علیہ السّلام) کی دوستی کے لئے قطعی حکم (نص) کر دیا، اور اُن لوگوں کو اس کی ترغیب دی، جو آنحضرت کے حضور تک رسا ہوئے تھے، جبکہ انہوں نے آنحضرت سے اس بارے میں پوچھا۔

اور خدائے عزّ وجل نے علی (علیہ السّلام) کی یہی دوستی سارے لوگوں پر فرض کر دی ہے اور اس کی ذرّیت کے اماموں کے لئے بھی یہی (دوستی) ہر دور اور زمانے کے لوگوں پر فرض کی گئی ہے۔

امام محمّد باقر بن علی زین العابدین صلوات اللہ علیہ سے

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا گیا:۔

"قُل لا اسأٔلکم علیہ اجراً الّا المَودۃ فی القربیٰ [۴۲/۲۳]"

تو انہوں نے فرمایا:۔

"وَاللّٰہ ھی فریضۃ من اللّٰہ واجبۃ علیٰ جمیع العباد لمحمّد صلی اللّٰہ علیہ وعلیٰ آلہ فینا اھل بیتہٖ۔

خدا کی قسم یہ (دوستی جس کا ذکر اس آیت میں ہے) اللہ تعالیٰ کی طرف سے سارے بندوں پر ایک واجب فرض ہے، جو محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے (یہی ایک صِلہ ہے کہ اس کے اہلِ بیت کو دوست رکھا جائے، اور یہ) ہمارے بارے میں ہے، کہ ہم ہی اس کے اہلِ بیت ہیں"۔ اور (موصوف امام علیہ السّلام) نے فرمایا ہے:۔

"مَن احبّنا حشرہُ اللّٰہ معنا یوم القیامۃ۔

جو شخص ہم کو دوست رکھے، تو اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن ہمارے ساتھ اُٹھا دے گا"۔ پھر فرمایا:۔

"ھل الدّین الّا الحب =

کیا دین محبّت کے سوا کوئی اور چیز ہے"!

(یعنی حقیقی محبّت اور اس کے لوازم ہی کا نام دین ہے،

چنانچہ، خدائے عزّوجل نے فرمایا ہے:

"حَبَّبَ اِلَیْکُمُ الایمَانَ وزَیّنَہ فی قُلُوبِکُم" ۴۹/۷

اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایمان کی محبّت دے دی ہے، اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب (پسندیدہ) کرکے دکھایا ہے"۔ اور انہوں نے (حوالے کے طور پر) فرمایا:۔

"ان کنتم تُحِبّون اللّٰہ فاتَّبِعُونِی یُحببکم اللّٰہ ویغفرلکم ذنوبکم" ۳/۳۱

(اے رسولؐ ان لوگوں سے) فرمادیجئے کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو کہ خدا (بھی) تم کو دوست رکھے گا، اور تم کو تمہارے گناہ بخش دے گا"۔

مولانا علی علیہ السّلام نے اپنے بعض شیعوں سے فرمایا:۔

"أَلا اخبرکم بالحسنۃ الّتی من جاء بہا أمِن من فزع یوم القیامۃ وبالسّیئۃ الّتی من جاء بہا أکب اللّٰہ وجہہ فی النّار"۔

"کیا میں تم کو اُس نیکی کے بارے میں آگاہ نہ کردوں کہ جو شخص وہ نیکی کرے تو وہ روزِ قیامت کی گھبراہٹ سے بےخوف ہوگا اور اس بدی کے بارے میں بھی، کہ جو شخص وہ بدی کرے، تو اللہ تعالےٰ اس کو منہ کے بل آتشِ (دوزخ) میں ڈال دے گا"۔

شیعوں نے عرض کی، کہ آگاہ کیجئے یا امیرالمومنین! تو فرمایا:۔

الحسنۃ حُبّنا والسیئۃ بغضنا"
"وہ نیکی ہماری دوستی ہے اور وہ بدی ہماری دشمنی ہے"۔
پس جو شخص اماموں کو پہچانتا ہے، تو اس کو چاہیئے کہ ان سے خالص (بے غرض) محبت رکھا کرے، اور اعتقاد رکھے کہ یہ محبت اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہے، اور اماموں کی اُس مرتبت کے لئے ہے جو اللہ تعالےٰ ہی کی جانب سے (اور اعتقاد رکھے کہ یہ محبت اور دوستی) کسی ایسی دنیاوی غرض کے لئے نہیں جو اماموں سے حاصل ہو، پھر اگر کسی شخص کی یہ دوستی کسی (دنیاوی) چیز کے لئے ہے تو اُس چیز کے زوال وانقطاع کے ساتھ ساتھ وہ دوستی بھی زائل اور منقطع ہو جائے گی۔
پس اماموں سے اُس شخص کی دوستی ان کی (دنیاوی) مہربانی رُک جانے پر بھی اُسی طرح برقرار رہنا چاہیئے، جس طرح مہربانی کے وقت اُن سے اس کی دوستی تھی، اور تنگدستی میں بھی وہی دوستی ہونا چاہیئے، جو خوشحالی میں تھی، کیونکہ جو خالص (بے غرض) اعمال محض اللہ تعالےٰ ہی کے لئے ہوا کرتے ہیں، اُن میں دنیا کی گردشیں کوئی تبدیلی لا نہیں سکتیں، اور نہ ان کو ایک حالت سے دوسری حالت میں منتقل کر سکتی ہیں، بجز آنکہ دنیا کے حادثات صرف اُن اعمال میں تغیّر وتبدّل کر سکتے ہیں، جو دنیا ہی کے لئے کئے جاتے ہوں، امام جعفر صادق بن محمّد باقر صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہے:۔
"من احبّنا فلیخلص لنا المحبۃ کما یخلص

الذّہب الابریز۔

جو شخص ہم کو دوست رکھے، تو اس کو چاہئے کہ ہماری محبّت کو اس طرح خالص (پاکیزہ) کرے جس طرح کھرا سونا خالص ہوا کرتا ہے"۔

مولانا علی صلوات اللہ علیہ نے فرمایا ہے :۔

"لوضربتُ المؤمن علیٰ انفہٖ ما ابغضنی ابداً ولوصببتُ الذھب والفضّۃ علی المنافق ما احبّنی ابداً۔

اگر میں مومن کی ناک پر مارتا، تو پھر بھی وہ مجھ سے ہرگز دشمنی نہ کرتا، اور اگر میں منافق پر سونا اور چاندی برسا دیتا، تو پھر بھی وہ مجھ سے ہرگز دوستی نہ رکھتا"۔

پس جو شخص خدا کے اولیاء سے دوستی رکھتا ہے، تو اُس کو چاہئے کہ اُن کی محبّت کو خالص (پاکیزہ) کر دے، اور محبّت کا حق (جیسا کہ چاہئے) ادا کر دے۔ یقیناً محبّت کرنے والے پر اس کے محبوب کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اپنے محبوب سے سچّی قسم کی دوستی رکھے اور اُس کو دھوکا نہ دیا کرے، اس کی امانت ادا کر دے اور اس کی خیانت نہ کرے، اس کی مدد کرتا رہے اور اس کی مدد سے دستبردار نہ ہو جائے، اس کی فرمانبرداری کرتا رہے اور اس کی نافرمانی نہ کرے، اس کے لئے وہ (قول و فعل) پسند کرے جو کچھ اپنے لئے پسند کرتا ہے اور اس کے لئے وہ (قول و فعل) ناپسند کرے جو کچھ اپنے لئے

ناپسند کرتا ہے، اور (اس کی دوستی کے سلسلے میں) اپنے ظاہر و باطن کے درمیان کوئی فرق نہ رکھے، نہ اپنے بھید اور کھلی بات کے درمیان اور نہ اپنے محبوب کے سامنے ہونے اور اس سے دور ہونے میں، یہ تو اُس محبت کی حقیقت ہے، جو دنیاوی طور پر دوستی رکھنے والوں میں پائی جاتی ہے، پھر اُس شخص پر کس قدر عظیم حقوق اور فرائض عائد ہوں گے، جس کا محبوب خدا کا محبوب ہے، جس نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دیکھتا اور جانتا ہے جو کچھ وہ (خدا کے محبوب کے لئے) اپنے دل میں رکھتا ہے اور جو کچھ آشکار کر دیتا ہے، جو کچھ چھپاتا ہے اور جو کچھ دکھاتا ہے، پھر اُس پر یہ فرض ہے، کہ وہ اپنی اس محبت کے بارے میں اپنے آپ کی نگرانی کرتا رہے اپنی کھلی اور ظاہری حالت میں بھی، اور اپنی تنہائیوں اور بھیدوں میں بھی (کہ وہ اس مقدس محبت کے فرائض کی انجام دہی میں کوتاہی تو نہیں کر رہا ہے)۔

پس اے مومنو! تم اپنے اولیا کی (اس مقدس) محبت کو (دنیاوی اغراض کی آلائشوں سے) خالص کر دو، تاکہ اُس کے بدلے میں تم پر وہ مہربانی کی جائے، جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام مہربانیوں سے بڑھ کر ہے، اس بیان میں جو میں نے اس باب میں کر دیا، ان لوگوں کے لئے تبلیغ ہے، جنھیں دُرستی (صواب) کی توفیق دی گئی ہے۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۱

کلامِ مولوی معنوی رومی

ازکلیاتِ شمس تبریز

(ترجمہ از علامہ نصیرالدین نصیرؔ ہونزائی)

۱۔ آن شاہ کہ با دانش و دین بُود علی بُود
مسجودِ ملک ساجدِ معبُود علی بُود

ترجمہ:۔ وہ (حقیقی) بادشاہ جو صحیح معنوں میں دانش اور دین کے ساتھ تھا، علی ہی تھا، فرشتوں نے جس کو سجدہ کیا اور جس نے خدا کو سجدہ کیا، وہ علی ہی تھا۔

۲۔ خورشیدِ ضیاگستر و جمشیدِ دو کشور
ماہِ فلکِ موہبت و جود علی بُود

ترجمہ:۔ نور بکھیرا دینے والا سورج، دونوں جہان کا بادشاہ اور بخشش و مہربانی کے آسمان کا چاند علی ہی تھا۔

۳۔ آن شاہِ فلک مرتبہ کز عزّ و جلالت
بر سائر مخلوق بیفزود علی بُود

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

ترجمہ:۔ وہ عالی مرتبت بادشاہ، جو اپنی عزت اور بزرگی کی وجہ سے تمام مخلوق پر فوقیت رکھتا تھا، علی ہی تھا۔

۴۔ آن نکتۂ تحقیقِ حقائق بحقیقت
کز رُوی یقین مَظہرِ حق بُود علی بُود

ترجمہ:۔ وہ راز جس کو دراصل حقیقتوں کی چھان بین سے معلوم کر لیا گیا ہے جو یقیناً خدا کے مظہر کی حیثیت سے تھا، علی ہی تھا۔

۵۔ آن نقطۂ توحیدِ احد کز دم واحد
جُز او نفسِ وحدت نشنود علی بُود

ترجمہ:۔ وہ خدا کی توحید کا انتہائی نقطہ، جس کے بغیر اور کسی شخص نے خدائے واحد کے دم سے وحدت کی بُو نہیں سُونگھی، علی ہی تھا۔

۶۔ آن بُود وجودِ دو جہان کز رہ معنی
بی او نہ شدی عالم موجود علی بُود

ترجمہ:۔ وہ دونوں جہان کے وجود کا سبب، کہ اگر وہ نہ ہوتا، تو حقیقت کی رُو سے عالم موجود ہی نہ ہوتا، علی ہی تھا۔

۷۔ آن فاتحۂ دولت و مفتاحِ سعادت
کو قفلِ درِ مصطبہ بکشوُد علی بُود

ترجمہ:۔ وہ اقبال مندی کھول دینے والی طاقت اور سعادتمندی کی کلید، جس نے عشقِ حقیقی کے دروازے کا قفل کھول دیا، علی ہی تھا۔

۸۔ آن ساعدِ دینِ حق و ینبوع معانی
کز یمنِ وی آدم شدہ مسجود علی بُود

ترجمہ:۔ وہ دینِ حق کے (پُر قوت) بازو اور حقائق کا سرچشمہ، جس کی برکت سے آدم فرشتوں کا مسجود ہُوا ہے، علی ہی تھا۔

چاندراتِ ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۲

علیؑ ہی تھا

کلام مولوی معنوی رومی
از کلیاتِ شمس تبریزی

(ترجمہ از علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی)

آن فارسِ میدانِ ریاضت کہ بہ مردی : گوئ سبق از عالم بر بود علیؑ بود

ترجمہ :۔ وہ میدانِ ریاضت و عبادت کا شہسوار، جس نے بڑی بہادری کے ساتھ دنیا والوں سے گوئے سبقت لے گیا، علیؑ ہی تھا۔

آن شہ کہ بشمشیرِ وی از آئینۂ دین : زنگِ ستم و بدعت بزدود علیؑ بود

ترجمہ :۔ وہ بادشاہ، جس نے اپنی تلوار کی بدولت آئینۂ دین سے ظلم و بدعت کا زنگ صاف کر دیا، علیؑ ہی تھا۔

آن نورِ مجرّد کہ بُد او در ہمہ حالت : با موسیٰؑ و با عیسےٰؑ و با ہود علیؑ بود

ترجمہ :۔ وہ خالص و مجرّد نور، جو ہر حالت میں موسیٰؑ کے ساتھ، عیسےٰؑ کے ساتھ

اور ہودؑ کے ساتھ تھا، علیؑ ہی تھا۔

آن روحِ مُصَفّا کہ خداوند بقُرآن : بنواخت بچند آیت و بِستُود علیؑ بُود

ترجمہ :۔ وہ پاک وصاف روح، جس کو خدائے تعالیٰ نے قرآن میں کئی آیتوں کے اختصاص سے نوازا اور تعریف فرمائی، علیؑ ہی تھا۔

ہم صابر و ہم صادق و ہم قانت و مُنفِق : ہم ہادی و ہم شاہد و مشہود علیؑ بود

ترجمہ :۔ (اُن قرآنی آیات کے بیان کے بموجب) صبر کرنے والا بھی، سچ بولنے والا بھی، فرمانبردار بھی، خدا کی راہ میں خرچ کرنے والا بھی، اُمت پر گواہ بھی، اور حقیقی امتی بھی علیؑ ہی تھا۔

با مُلکِ سلیمانؑ و با عصمتِ یحییٰؑ : با منزلتِ آدمؑ و داؤدؑ علیؑ بُود

ترجمہ :۔ سلیمانؑ کی مملکت کے ساتھ، یحییٰؑ کی معصومیت کے ساتھ اور آدمؑ و داؤدؑ کی مرتبت کے ساتھ علیؑ ہی تھا۔

راہی کہ بیان کرد خداوند در الحمد : آن رہبر و آن راہ کہ بنمود علیؑ بُود

ترجمہ :۔ خداوند تعالیٰ نے الحمد میں جس سیدھے راستے (صراط مستقیم) کا ذکر فرمایا ہے۔ اس راستے کا دکھانے والا اور خود وہی راستہ، جو اُس نے دکھایا، علیؑ ہی تھا۔

وجہی کہ بفرمود خداوند بقرآن : آن وجہِ مُکرّم کہ بفرمود علیؑ بُود

ترجمہ :۔ خداوند تعالیٰ نے قرآن (کی کئی آیتوں) میں اپنے جس چہرۂ مُبارک کا ذکر فرمایا ہے، وہ باکرامت چہرہ، جس کا بیان فرمایا ہے، علیؑ ہی تھا۔

جبرئیلِ امین راز برِحضرتِ عزّت : مقصود بمثل احمدؐ و مقصود علیؑ بُود

ترجمہ :۔ جبرئیلِ امین جو بارگاہِ عزّت سے نازل ہوا کرتا تھا، فی المثل اس کا مقصد حضرت محمّد صلعم اور فی الحقیقت اس کا مقصد علیؑ ہی تھا۔

گویند ملک ساجد و مسجود بُد آدمؑ : از من بشنو ساجد و مسجود علیؑ بُود

ترجمہ :۔ لوگ کہا کرتے ہیں، کہ فرشتہ ساجد (سجدہ کرنے والے) تھے اور آدمؑ مسجود (سجدہ کیا گیا) تھا، مجھ سے سُن لے، کہ خود ساجد اور خود مسجود علیؑ ہی تھا۔

این سرّ بشنو باز ز شمس الحق تبریز : کز نقدِ وجودِ دو جہان سود علیؑ بُود

ترجمہ :۔ ایک اور دفعہ یہ راز شمس الحق تبریز سے سُن لے، کہ دونوں عالم کے نقد ہستی کا ماحصل اور حقیقی فائدہ (جو کچھ دونوں جہان کے صرف کرنے سے مل سکتا ہے) علیؑ ہی تھا۔

وَلایتِ[۱] علیؑ

رُباعی

(از رومیؒ)

دائم زوَلایتِ علیؑ خواہم گُفت   چُون رُوحِ قُدُس نادِ علیؑ خواہم گُفت
تاروح شود غمی کہ بر جانِ من است   کُلّ ہم و غم سینجلی خواہم گُفت

ترجمہ:۔ میں تو ہمیشہ حضرت علیؑ کی ولایت کا تذکرہ کرتا رہوں گا، رُوح القدس کی طرح "نادِ علیؑ" پڑھوں گا، "کُلَّ ھَمٍّ وَّغَمٍّ سَیَنْجَلِیْ[۲]" پڑھوں گا، تاکہ میرے دل میں جو غم ہے وہ بدل کر روح بن جائے۔

نوٹ:۔ [۱] لفظِ "وَلایت" کے "واؤ" کو زبر سے پڑھنا زیادہ صحیح ہے، دیکھو قرآن مجید = سورہ: ۸ / آیت: ۷۲، سورہ: ۱۸ / آیت: ۴۴ اور دعائم الاسلام (عربی) جلد اوّل ص۱۴۱ اور ص ۲۰۔

[۲] کُلَّ ھَمٍّ وَّغَمٍّ سَیَنْجَلِیْ، یعنی علی علیہ السّلام ہر بے چینی اور غم کو روشنی کی صورت میں تبدیل کر دے گا۔

نُورِ زندۂ جاوید ہے

رباعی

(از رومی)

کَی گُفت کہ آن زندۂ جاوید بمُرد　　کَی گُفت کہ آفتابِ اُمیّد بمُرد
آن دشمنِ خورشید درآمد بربام　　دُو دیدہ ببست وگُفت خورشید بمُرد

ترجمہ:۔ (خدا نے یہ) کب فرمایا، کہ وہ زندۂ جاوید (نوُر) مَر گیا ہے؟ اُس نے یہ کب فرمایا، کہ اُمید کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا ہے؟ وہ سورج کا دشمن چھت پر نکل آیا اور دونوں آنکھیں بند کر کے کہنے لگا، کہ سورج مر گیا ہے۔

۲۳/۱۱/ ۶۸

کلام-۳

علم، یعنی دانش کے بارے میں

کہ وہ کیا ہے

ازکتاب وجہ دین، سیّد ناصر خسرو،

مترجم:- علاّمہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

سب سے پہلے مومن کو یہ جاننا چاہیئے، کہ علم (کی تعریف) کیا ہے، تاکہ وہ جب اُس کو پہچان لے، تو اُسے حاصل کرسکے گا، کیوں کہ جب تک کوئی شخص کسی چیز کو نہ پہچانے تو وہ اُس چیز تک ہرگز رسا ہو نہیں سکتا، پس (علم کی تعریف کے بارے میں) میرا کہنا یہ ہے کہ چیزوں کو ان کی حقیقی حالت کے مطابق معلوم کر لینے کا نام علم ہے، اور چیزوں کو ان کی حقیقی حالت کے مطابق معلوم کر لینے والی (قوّت) عقل ہے۔ پس علم عقل کے گوہر میں ہے (یعنی علم روحانیت کی اُس اعلیٰ

ترین مثال میں پایا جاتا ہے، جو بارہ پہلوؤں کے ایک لعل کی صورت میں پیش کی جاتی ہے) اور عقل کی گواہی باری سبحانہ وتعالےٰ کا وہ کلمہ ہے، جس کے تحت تمام روحانی وجسمانی مخلوقات موجود ہیں (یعنی جب گوہرِ عقل کے بارہ پہلوؤں سے بارہ قسم کی روحانی تعلیمات دی جاتی ہیں، تو ہر تعلیم کے ساتھ کلمۂ باری کی ایک تصدیق بھی ملتی جاتی ہے، کیونکہ گوہرِ عقل کی یہ تعلیمات رموز واشارات پر مبنی ہیں، اور کلمۂ باری ہی ان سب کی گواہی دیتا ہے اور تصدیق کرتا ہے) اور جو کچھ علم کے تحت نہ آتا ہو، تو اُسے ہست (موجود) نہیں کہنا چاہیئے، پس خدا کے سوا سب کچھ علم کے گھیرے میں پایا جا سکتا ہے، اور جب یہ جائز نہیں کہ خدا تعالیٰ علم کے تحت ہو، کیوں کہ علم وہ ہے کہ ساری چیزیں اور ہستیاں اس کے تحت پائی جاتی ہیں، نیز "نیست" بھی اسی کے تحت ہے، تو جائز نہیں جو میں یہ کہوں کہ خدا ہے، یا یہ کہوں کہ خدا ہے نہیں، کیونکہ یہ دونوں حالات (ہست ونیست) علم کے تحت ہیں، لیکن خدا علم کے تحت نہیں۔

پس میں (خدا کی حقیقت کے بارے میں) یہ بتاؤں گا کہ امر کا محض ہی خدا ہے، اور جس شخص کو (دوسروں کے مقابلے میں) علم کا زیادہ حصّہ ملا ہے، تو وہی شخص خدا کے امر کے زیادہ نزدیک ہے، اور اسی شخص نے خدا کے امر کو زیادہ قبول کر لیا ہے، اور وہی شخص (دوسروں سے) زیادہ فرمانبردار ہے اور جو شخص زیادہ دانا ہو، وہی شخص خدا کا

زیادہ فرمانبردار ہو جاتا ہے، اور جو شخص مکمل طور پر دانا ہو جائے، تو وہی شخص دائمی نعمت کو حاصل کر سکتا ہے، چونکہ دانا کے کاموں کا انجام خدا کی رحمت ہے۔ انسان اس کائنات کی دوسری تمام مخلوقات کی تکمیل کے بعد پیدا ہوا ہے، اور اس کی جائے واپس امرِ کلؔ ہے، جو دونوں جہان کی علّت (سببِ پیدائش) ہے، اور قانون یہ ہے کہ تمام چیزیں اپنی اصل ہی کی طرف رجوع کرتی ہیں۔

بھائیو! تم حصولِ علم کے سلسلے میں کوشش کرتے رہو، تاکہ جس سے تم خدائے برتر و بزرگ کے زیادہ نزدیک ہو جاؤ گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو علم ہی ہے۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۳

آغازِ کتاب (وجہِ دین)

مترجم: علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

ہم حقیقت کے عظیم اور لا انتہا سرّ (راز) کے طلبگاروں کو یہ بتا دیتے ہیں، کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو خوف اور امید کے لئے پیدا کیا ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو بہشت سے امیدوار کر دیا ہے اور دوزخ سے ڈرایا ہے، پس میرا قول یہ ہے، کہ انسان کے نفس میں، جو خوف پایا جاتا ہے، وہ دوزخ (کی ہستی) کا نشان ہے، اور اس میں جو امید پائی جاتی ہے، وہ بہشت (کے موجود ہونے) کا اثر ہے۔

یہ دونوں چیزیں جو انسانی فطرت میں پوشیدہ ہیں، ایک کُلّی خوف اور ایک کُلّی امید کی نشاندہی کرتی ہیں، وہ دوزخ اور بہشت ہیں، جب رسول محمّد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا، تو انہوں نے بموجبِ فرمانِ الٰہی یہی دونوں

چیزیں جو لوگوں کی فطرت میں پوشیدہ تھیں، اُن کے سامنے لا رکھیں یعنی ایک چیز تو اُمید تھی، جو دونوں جہان کی دولت، رحمت، آسائش اور بقا کے سرمائے کی حیثیت سے تھی، اور دوسری چیز تلوار تھی، جو دونوں جہان کے خوف، جنگ اور فنا کے سرمائے کی حیثیت سے تھی اور ایک اور چیز شریعت تھی۔ جس کو قبول کرنے کا نتیجہ ان سے ہاتھ روکنا تھا اور ان کو جینے دینا تھا، جو صرف اس جہان کے امن و بقاء کی علامت تھی، پس جو شخص آنحضرت علیہ السلام کی تلوار سے مارا گیا، تو وہ دونوں جہان میں فنا ہوا، اور جس شخص نے آنحضرت کے فرمان کو امید پر قبول کر لیا، تو اس نے دونوں جہان میں بقاء پائی، اور جس نے تلوار کے خوف سے دین قبول کر لیا، تو اُس کو اس جہان میں بقاء ملی مگر وہ دوسرے جہان کی بقاء کو نہیں پہنچ سکا، کیونکہ جب عارضی بقاء تلوار کے خوف سے قبول کر لی جائے، درحالیکہ تلوار سرمایۂ قتل ہے، تو وہ ایک ایسی بقاء ہوگی، جس کی علت (اسبابِ پیدائش) فنا کی حیثیت سے ہے، اور اصول یہ ہے کہ ہر چیز اپنی علت ہی کی طرف رجوع کر جاتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ جس شخص نے اسلام تلوار کے ڈر سے قبول کر لیا (اور مرتے دم تک اسی حالت پر رہا) تو وہ امید سے بے بہرہ ہوا اور اس کو ابدی بقاء نہ ملی، اور جس شخص نے دین دائمی بقاء کی امید پر قبول کر لیا، تو اس کی عارضی بقاء کی علت دائمی بقا ہی تھی

(یعنی وہ ابدی زندگی کی امید پر جی رہا تھا) تو اس کو دائمی بقا ہی حاصل ہو جاتی ہے، کیونکہ اُس کی دنیوی زندگی کی علّت تو یہی دائمی بقا تھی، اور جو شخص کام محض کار فرما ہی کے ڈر سے کرتا ہے، تو اُس کے کام میں کوئی دانش نہیں اور ایسا کام ان لوگوں کے کام سے ملتا جلتا ہے جو حقیقت سمجھے بغیر کسی خوف کے مارے کر ہی ڈالتے ہیں، اور جو شخص اس امید پر کام کرتا ہو کہ اس کو نیکی ملنے والی ہے، تو اس کا کام بحقیقت دانشمندوں کا کام ہے، اور جب اکثر لوگ نادان ہی ہیں، تو (لازماً) نادان لوگ بگاڑ ہی کی طرف مائل ہوا کرتے ہیں، اور بگاڑ کا بدلہ خوف کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اکثر لوگوں نے دین تلوار کے خوف سے قبول کر لیا ہے، تو لازماً وہ لوگ ایسے ہیں، جو یہ نہیں جانتے کہ دینِ اسلام کیا ہے، بلکہ انہوں نے ڈر کر اس کو قبول کر لیا ہے، اور سمجھے بغیر وہ اس کو اپنا رہے ہیں، یہ لوگ نہ کچھ جانتے ہیں، اور نہ داناؤں سے پوچھتے ہیں، تاکہ خوف سے، جو دوزخ کا نشان ہے، نجات پاتے، اور امید، جو بہشت کا نشان ہے، حاصل کر سکتے، اور دائمی نعمت کو پہنچ سکتے۔

جاننا چاہیئے کہ اس دنیا میں دوزخ (جُزوی طور پر) تلوار کے خوف کی صورت میں موجود ہے، اور دانش کے بغیر کام کرنا، اسی دوزخ کا عذاب ہے، اور بہشت (جُزوی طور پر) اس دنیا میں اُمید

کی حیثیت سے موجود ہے، اور علم و دانش سے کام کرنا، اسی بہشت کا ثواب و صلہ ہے، چنانچہ تمام اہل اسلام اس بات پر متفق ہیں، کہ جب کسی گنہگار کو دنیا ہی میں سزا دی جائے تو وہ شخص بہشت میں داخل ہو کر دائمی نعمت حاصل کر سکتا ہے، یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اکثر لوگوں نے حقیقت کو دیکھے اور سمجھے بغیر محض تلوار ہی کے ڈر سے دین قبول کر لیا ہے، تو یہ دین (بحقیقت وہ دین ہو نہیں سکتا جو رسولؐ رکھتے تھے، بلکہ یہ ان کا) خود ساختہ دین (بدعت) ہی ہے، مگر جب وہ دانش سیکھ لیں اور علم سے کام کریں تو وہ دوزخ سے چھوٹ کر بہشت میں پہنچ سکتے ہیں، جزوی طور پر اسی دنیا میں بھی اور کلّی طور پر اُس جہان میں بھی۔

جب دانشمند سوچے تو اُسے یہ حقیقت معلوم ہو ہی جائے گی، کہ اس عالم میں کوئی کام کرنے والا جب کام کو سمجھے بغیر کرتا ہے تو وہ کام اُس کا جُرم قرار دیا جاتا ہے، اور (اس جُرم کی سزا یہ ہوتی ہے کہ) اس کو کوئی صلہ نہیں دیا کرتے ہیں، اور جو شخص دانش سے کام کرے، تو اس قسم کے جُرم سے رہائی پاتا ہے، اور اپنے کام کا صلہ حاصل کر لیتا ہے، پس ہر دانشمند پر یہ واجب ہے، کہ وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ کی شریعت کے معنی سمجھ لے اور اس کے بعد شریعت پر علم سے عمل کرتا رہے، تاکہ وہ اپنے کام کے اس صلے کے قابل ہو سکے، جو بہشت کی حیثیت سے ہے، اور وہ اُس جُرم

کے خوف سے آزاد ہو جائے جو دوزخ کی حیثیت سے ہے۔

جب اسلام میں یہی تھا، جو کچھ میں نے ذکر کر دیا، تو میں نے اس کتاب کی تالیف کرنا اپنے ذمّہ ایک اہم فرض سمجھا، جو شہادت، طہارت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، ولایت، امر، نہی وغیرہ جیسی شرعی بنیادوں کی تشریح پر مشتمل ہے، اور ہم نے اس کتاب کا نام "وجہِ دین"، یعنی دین کا چہرہ رکھ لیا، اس لئے کہ انسان تمام چیزوں کو ان کے چہروں ہی سے پہچان سکتا ہے، چنانچہ جو دانشمند اس کتاب کو پڑھے، تو وہ دین کو (صحیح معنوں میں) پہچان سکے گا۔ اور پہچانے ہوئے (دین) پر عمل کرے گا، اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے اپنے کام کے معاوضے کے قابل ہو سکے گا۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۴

میلادُ الامامِ الحاضر

(از علاّمہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی)

کسی پیغمبر یا امام برحق کی جسمانی ولادت میں عموماً اہلِ زمانہ کے لئے اور خصوصاً مومنین کے لئے جو کچھ سعادت مندی پوشیدہ ہوتی ہے، اس کے متعلق اعتقاد کی بنیاد صرف روایت اور قیاس ہی پر نہیں، بلکہ یہ ایک ایسی استوار اور روشن حقیقت ہے، کہ اس کی دلائل سے کوئی بھی ذی شعور انسان انکار نہیں کر سکے گا، چنانچہ قرآن پاک کی روشنی میں اس حقیقت کی توضیح کی جاتی ہے، کہ اللہ تعالےٰ نے انبیاء اور ائمۂ برحق علیہم السّلام کی ظاہری ولادت کی سعادتمندی حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی ولادت کی مثال میں بیان فرمائی ہے، کیونکہ حکمتِ الٰہیہ کا تقاضا یہ تھا، کہ انبیاء اور ائمۂ برحق علیہم السّلام کی جسمانی ولادت اور ان کی بشریت کی سعادتوں اور برکتوں کا ذکر ایک ایسے پیغمبر کی پیدائش کی مثال میں کر دیا جائے، جس کی ولادت اور بشریت کے متعلق بے معرفت لوگوں کو زیادہ سے زیادہ شک اور اعتراض ممکن تھا، وہ پیغمبر حضرت عیسےٰ

علیہ السّلام تھے، کیونکہ ان کی پیدائش اور بشریت اس مطلب کے لئے ایک بہترین مثال ہو سکتی تھی، اس لئے کہ مختلف زمانے کے منکرین نے دوسرے انبیاء و اولیا کی جسمانیت پر جو کچھ اعتراض اُٹھایا، وہ تو اکثر یہی ہوا کرتا تھا، کہ انہوں نے انبیاء و اولیاء کو اپنی طرح کے انسان قرار دے دیا، جس کی ترجمانی قرآن پاک اس طرح کر رہا ہے :-

"قالوا ما انتم الا بشر مثلنا ۳۶/۱۵" لوگوں نے کہا کہ تم تو کچھ بھی نہیں مگر ہماری طرح (محض) معمولی آدمی ہو"۔ اور حضرتِ عیسٰے علیہ السّلام کی پیدائش و بشریت پر منکرین نے جو کچھ اعتراض اُٹھایا، اس کے متعلق قرآنِ حکیم کا ارشاد یہ ہے: "قالوا یا مریم لقد جئتِ شیئاً فریاً ۱۹/۲۷" لوگوں نے کہا کہ اے مریم! تم نے بڑے غضب کا کام کیا یعنی انہوں نے کہا کہ ہماری طرح کا انسان تو درکنار یہ مولود سرے سے حلال زادہ ہی نہیں، پس معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی پیدائش اور بشریت انبیاء و اولیاء کی مجموعی زندگی کا وہ پہلو ہے، کہ جس کے متعلق اگر ایک طرف سے منکرین کے سخت سے سخت اعتراض کا ذکر موجود ہے، تو دوسری طرف سے اس اعتراض کی تردید اور انبیاء و اولیاء کی پیدائش و بشریّت کے فیوض و برکات کا بھی انتہائی جامع الفاظ میں ذکر کر دیا گیا ہے، اور اس سلسلے میں قرآنِ پاک کا ایک ارشاد یہ ہے: "وَجَعَلَنِیْ مُبٰرَکًا اَیْنَ مَا کُنْتُ ۱۹/۳۱" اور خدا نے مجھے برکت والا بنایا میں جہاں کہیں بھی ہوں"۔ اس مطلب

کی تشریح یہ ہے، کہ حضرت عیسیٰ مذکورہ اعتراض کی تردید میں اپنی پیدائش اور جسمانیت کے فیوض و برکات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں، کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے برکت والا بنایا، پس میں جہاں جاؤں، جن لوگوں کے درمیان رہوں اور جن اشخاص کی طرف توجہ کروں تو وہاں پر اور ان لوگوں کو برکت مل سکتی ہے، پھر ظاہر ہے کہ پیغمبر اور امام برحق کے ظاہری وجود ہی اُمت و جماعت کے لئے باعثِ فیض و برکت ہے، اس لئے کہ "اَیۡنَ مَا کُنۡتُ"، کا اشارہ سب سے پہلے مکان اور جسمانی وجود کی طرف ہے، چنانچہ مذکورہ آیت سے یہ ظاہر ہے، کہ حضرت عیسیٰ جہاں رہتے تھے، ان کے ساتھ برکت تھی، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ وہ برکت حضرت عیسیٰؑ سے جُدا نہ تھی، اور صرف اُنہی کی خوشنودی سے کسی کو مل سکتی تھی۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے، کہ برکت کی کیفیت و حقیقت کیا ہے؟ جس کا جواب یہ ہے، کہ برکت ایمان، جان، اولاد اور مال کی لازوالی اور زیادتی کا نام ہے، پس انسان کو جن چیزوں میں برکت کی ضرورت ہے، وہ بس یہی چیزیں ہیں، اور انسان کی ان چیزوں میں ہر ممکن برکت ہونے کا جو ذریعہ ہے، وہ پیغمبر اور امام برحق کی ظاہری ہدایت ہے، یہی وجہ تھی، جو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے اپنے اس قول میں یہ منطق پوشیدہ رکھی، کہ اپنے زمانے کی ساری برکات مجھ میں ہیں، یعنی فیوض و برکات شروع شروع میں ہدایت کی صورت میں ہوتی ہیں، تو معلوم ہوا کہ

پیغمبر اور امامِ برحق کا ظاہری وجود ہی سرچشمۂ ہدایت اور ذریعۂ برکت ہے۔

مزید برآن برکت کی ایک خاص حقیقت بھی ہے، وہ ہے: ایمان، جان، اولاد اور مال کے زیادہ سے زیادہ دینی اور روحانی فوائد حاصل ہونا، جو لازوال اور ابدی برکت ہے، اور یہ برکت دُنیاوی برکتوں سے برتر ہے، پس انبیاء اور ائمۂ برحق اپنی ہدایت کے ذریعہ مومنین کو یہی برکت دیا کرتے ہیں، اور اسی برکت کو حاصل کرنے کے لئے انہیں تاکید فرماتے ہیں۔

حضرت عیسےٰ علیہ السّلام کی پیدائش کے بارے میں ایک اور قرآنی جامع حقیقت یہ ہے، کہ انسانِ کامل (یعنی نبی اور ولی) پر تین موقعوں میں ملائکہ اور روحانیین کا زیادہ سے زیادہ نزول ہوا کرتا ہے۔ وہ مواقع اس کے یومِ پیدائش، یومِ وفات اور یومِ بعث ہیں، چنانچہ قولِ قرآن ہے: "وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ أَمُوتُ وَيَوْمَ أُبْعَثُ حَيًّا $\frac{19}{33}$ اور تائید (یعنی نزولِ ملائکہ کا موقع) ہے، میرے لئے جس دن میں پیدا ہُوا اور جس روز رحلت کروں گا، اور جس روز زندہ کرکے اُٹھایا جاؤں گا"۔ سلام کے خاص معنی تائید یعنی نزولِ ملائکہ وارواح کے ہوتے ہیں، جس طرح خدا تعالیٰ کے اس فرمان سے ظاہر ہے: "تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ $\frac{97}{4-5}$ وہ

رات (یعنی شبِ قدر) ایسی ہے، کہ اس میں ملائکہ اور ارواح اپنے پروردگار کے اذن پر پورے عالمِ امر سے نازل ہوتے ہیں (اس لئے) وہ رات طلوعِ فجر تک موقعِ تائید ہے، پس ثبوت ہوا کہ نزولِ ملائکہ و ارواح کا نتیجہ ہی سلام یعنی تائید ہے۔

پس امامِ زمان کے یومِ پیدائش کی سعادت و برکت مذکورہ آیات کی روشنی میں معلوم کی جا سکتی ہیں، کیونکہ پیغمبر اور امامِ برحق کا نور فی الاصل ایک ہی زندہ روح کی حیثیت سے ہے۔ والسّلام۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۵

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

پیش کش: محمود الحسن کوکب تبریزی

اہالیانِ پشاور کی طرف سے

پشاور ۲۳ نومبر ۱۹۶۴ء

خوش آمدید

(ترجمہ: علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی)

امامِ عصر و زمان شہزادہ کریم آغاخان اسماعیلی پاک سلسلے کے پیشوائے اعظم دام برکاتہ کی مبارک تشریف آوری کے موقع پر:۔

(۱) اے زمانۂ حاضر کی امامت کا وارث! خوش آمدی! اے ایمان کے راستے کے رہنما! خوش آمدی!

(۲) اے خداشناسی کے دریا کے یکتا موتی! اے دلیل و برہان کے بُرج کے چاند! خوش آمدی!

(۳) اے وجود کے خزانے کے بھیدوں کا جاننے والا! اے اسرارِ کائنات کے دانا! خوش آمدی!

(۴) اے بنی فاطمہ کی شریف ترین یادگار! اے اپنے آباؤاجداد کی محفل کے چراغ! خوش آمدی!

(۵) اے امامِ دین جعفرِ صادقؑ کے بیٹے کی لائق و فائق اولاد! اے شہرستانِ معرفت کا بادشاہ! خوش آمدی!

(۶) اے کہ تیری تشریف آوری کی ضیا پاشیوں سے ہمارا روحانی خلوتخانہ منوّر ہو رہا ہے! ہماری اس بزم میں تو شمعِ روشن کی طرح آیا ہے، خوش آمدی!

(۷) اے رسولِ امین کا قائم مقام! اے زمانے کا پیشوا! اے محفلِ ایمان کا مسند نشین! خوش آمدی!

(۸) دین و مذہب کا بادشاہ، زمانے کا امام اور عصرِ حاضر کا رہنما! اے سرزمینِ پاکان کی قومیّت کے آنکھوں کے نور! خوش آمدی!

(۹) وطن کا ہر ذرّہ پُرنور اور پُرضیا ہُوا ہے جبکہ تُو سورج کی طرح ضُوفشانی کرتا ہوا اور جھلکتا ہوا (آیا) خوش آمدی!

(۱۰) تیری تشریف آوری کی بدولت پشاور جلوہ گاہ طور بن گیا، اے خدا کی تجلّیوں کا مظہر! خوش آمدی!

(۱۱) یعقوب کی طرح ہماری آنکھوں کو ایک تازہ نور حاصل ہُوا، اے عزیزِ یوسف کنعان میں خوش آمدی!

(۱۲) کوکبؔ بصد آداب و نیاز تیری خدمت میں پہنچا ہے (اے) شہزادہ کریم آغا خان! خوش آمدی!

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۵

"قَالُوْا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ"

کی تاویل کے بارے میں

ازکتاب وجہ دین (مصنف حکیم ناصر خسرو) کلام-۴۹

(ترجمہ علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی)

ہم خدائے تعالیٰ کی توفیق سے بیان کریں گے، کہ لوگوں کو جسمانی حالت میں مصیبت اور مشکلات آتے وقت اس قول کا کہنا واجب ہے جیسا کہ خداوند تعالےٰ فرماتا ہے: اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ ۲/۱۵۶ وہ لوگ جن پر جب کوئی مصیبت آپڑتی ہے، تو کہتے ہیں، کہ ہم خدا ہی کے ہیں اور اُسی کی طرف واپس ہوجانے والے ہیں۔ عرب والے مشکل کاموں کو رات کی تاریکی سے تشبیہہ دیتے ہیں، اس لئے کہ اس کام سے بڑھ کر اور کوئی مشکل نہیں، جس کے گھیرے سے نکل جانے کا راستہ ہی لوگوں کو نظر نہ آسکے، یہی تو تاریکی ہے، تاریکی دو طرح کی ہے، جسمانی تاریکی اور روحانی تاریکی، جسمانی تاریکی کی وجہ رات ہے، جیسے سورج ہی روشن کر سکتا ہے، کیونکہ جسمانی تاریکی تو اُسی سے روشن ہوسکتی ہے، اور وہ (سورج) جسمانی رکاوٹوں کو ختم کر ڈالتا ہے، لیکن روحانی تاریکی نادانی

اور معقولات کے مشکل مسئلے ہیں، اس قسم کی تاریکی کے لئے روشنی خدا سے ہے، جو اساس (یعنی علی) کی وساطت سے آتی ہے، اس کے بعد روحانی ظلمت میں چشمِ باطن (بصیرت) کا سورج امام الزّمان ہیں، جن کے سہارے ایسے سخت عقدے کھُل جاتے ہیں، جب کوئی جسمانی ظلمت (مصیبت) اور سختی کسی کے سامنے آئے، تو اُسے واجب ہے کہ مشیّتِ ایزدی کے لئے راضی ہو جائے، اور جو کچھ اس کے لئے حکم ہوا ہو، اُسے قبول کرے، اور کہے "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ" یعنی ہم خدا کے ہیں، اور ہم نے قبول کر لیا، جو کچھ اُس نے حکم کیا ہو۔ اگر ان مشکلات سے ہمیں کوئی ایسی جسمانی تکلیف پہنچے، جس کی وجہ سے ہم جسمانی طور پر مر جائیں، تو اُس صورت میں ہم اُس کی طرف واپس ہونے والے ہیں، اور تاویل میں مومن کو واجب ہے، کہ جب معقولات کا کوئی ایسا مسئلہ اس کے سامنے آجائے، جس کو وہ حل نہیں کر سکتا ہو، تو پھر اسی قول کو دہرائے، اس طریقہ پر (یعنی اس معنی میں) کہ "ہماری جانیں صاحب العصر کی ہیں، کیونکہ ہمیں روحانی زندگی اسی سے ملی ہے، اور مشکلات میں ہم اس کی طرف رجوع کرنے والے ہیں"۔ نیز وہ مومن یہ سمجھے کہ "ہم اس مشکل مسئلے کو حل نہیں کر سکتے ہیں، اس کا علم امام زمان کے پاس ہے"، تاکہ اس کو روحانی فیض کا دروازہ کھُلے، اور ان مشکلات کو سمجھ سکے، اور وہ غیب اُس پر کھُلے گا، اور اگر کھُل نہ جائے تو یہ اپنی ہی کمزوری سمجھے، اور اقرار کرے، کہ جو شخص ایسی مشکلات

کا چارہ جانتا ہو، اُسے یہ زیب دیتا ہے، کہ روحانی مشکلات میں لوگ اُسی کی طرف رجوع کریں، اور یہ صرف مومن ہی کے لئے ایک شفا بخش بیان ہے۔ والسلام۔

مذکورہ بالا آیت کی تأویل کی تحقیق

تاویل کا دوسرا نام حکمت ہے اور حکمت کا سمجھ لینا عوام کے لئے کوئی آسان بات نہیں، چنانچہ داعیٔ حکیم ناصرِ خسرو قدس اللہ سرّہٗ نے مذکورہ بالا آیت کی جو تأویل بیان فرمائی ہے، ہم ذیل میں اس کے اصولات کو ظاہر کر کے دکھاتے ہیں:۔

قولہ تعالیٰ: "وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ط وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ. اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ قَالُوْآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ. اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ" (٢/ ١٥٥-١٥٧) ہم تمھیں کچھ خوف اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے ضرور آزمائیں گے، اور (اے رسول) ایسے صبر کرنے والوں کو، کہ جب اُن پر (ان مصیبتوں میں سے) کوئی مصیبت آپڑی، تو وہ (بے ساختہ) بول اُٹھے، کہ ہم تو خدا ہی کے ہیں اور ہم اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، خوشخبری دے دو، کہ

انھیں لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے صلوات اور رحمت ہیں، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔"

مذکورہ ارشادِ الٰہی کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں سے ضرور امتحان لینے والا ہے، فرمایا گیا ہے کہ اس امتحان و آزمائش کی پانچ قسمیں ہیں، جن میں سے ہر ایک قسم کے روحانی و جسمانی دو دو پہلو ہیں، چنانچہ پہلا امتحان خوف کا ہے جس میں جسمانی اور روحانی قسم کے تمام خوف و ہراس شامل ہیں، دوسرا امتحان بھوک کا ہے، جس میں روحانی اور جسمانی غذاؤں کی کمی کا ذکر ہے، تیسرا امتحان مالوں کی کمی کے متعلق ہے جس میں رُوحانی اور جسمانی دونوں قسم کے مالوں کا ذکر ہے، چوتھا امتحان نفوس کی کمی کے بارے میں ہے جس میں نفوسِ قدسیہ اور نفوسِ بشریہ دونوں قسموں کا بیان ہے، اور پانچواں امتحان پھلوں کی کمی کے باب میں ہے، جس میں روحانی اور جسمانی دونوں قسم کے پھلوں کا تذکرہ ہے۔

اب ان پانچ قسم کے امتحاناتِ الٰہیہ کے روحانی پہلوؤں کے بارے میں سُنئے، کہ جس طرح مومن اپنے جسم کو تکلیف پہنچ جانے، اس کے ذلیل و خوار ہو جانے اور ہلاک ہو جانے کا خوف رکھتا ہے، اسی طرح وہ اپنی روح کو ایذا پہنچنے، اس کے خوار و رسوا ہو جاتے اور فنا ہو جانے سے بھی ڈرتا ہے، پس ثابت ہوا کہ خوف روحانی اور جسمانی دو قسم کا ہے، اس کے بعد بھوک کا ذکر ہے، چنانچہ جسمانی بھوک جسم کے لئے غذا کی ضرورت محسوس ہونے کا نام ہے، اور روحانی بھوک روح کے لئے غذا کی ضرورت محسوس

ہونے کا نام ہے، اور روحانی غذا عبادت و معرفت ہے، اس کے بعد مال کا ذکر ہے، ظاہری مال کی کمی یہ ہے کہ اس میں جسمانی ضروریات فراہم نہیں ہوتیں اور باطنی مال کی کمی یہ ہے کہ اس میں روحانی ضروریات پوری نہیں ہوتیں اور روحانی ضروریات علمِ حقیقت سے پوری ہو جاتی ہیں، اس کے بعد پھلوں کا ذکر ہے، ظاہری پھل یہی ہیں، جو درختوں سے حاصل ہوتے ہیں، اور باطنی پھل وہ ہیں، جو علم و دانش کے درختوں سے حاصل ہوتے ہیں، علم و دانش کے درخت امامِ زمان اور اس کے حدود ہیں، جو کلماتِ تامہ اور اسماء الحسنیٰ کی صورت میں مومنین کے قلب و روح میں موجود ہیں، اور ان روحانی درختوں کے پھل تاویل اور حکمت کی صورت میں پائے جاتے ہیں۔

پس جس مومن کو ان پانچ قسم کی جسمانی مصیبتوں ہی کی طرح اُن پانچ قسم کی روحانی مصیبتوں کا بھی احساس ہو جائے، یعنی جب وہ رُوحانی قسم کا خوف محسوس کرنے لگے، جب روحانی بھوک یعنی عبادت و معرفت کی کمی محسوس کرے، جب اپنے آپ میں روحانی مال یعنی علمِ حقیقت کی کمی محسوس کرے، جب نفوسِ قدسیّہ تک رسا نہ ہو سکنے سے سخت پشیمان ہو جائے اور جب تاویل و حکمت سے قاصر رہ جانے کا احساس کرے، تو اُسے گھبرانا نہیں چاہئے، بلکہ عزم و ارادہ اور صبر سے کام لیتے ہوئے یہ قول کہنا چاہئے:۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ: ہم خدا ہی کے ہیں اور

ہم اُسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں"۔ اس قول کی ایک حکمت یہ ہے کہ مومنین خدا کے ہیں اور خدا مومنین کا ہے، چنانچہ ارشادِ نبوی ہے :- مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ = جو شخص خصوصیت کے ساتھ خدا کا ہو جائے، تو خدا بھی خصوصیت کے ساتھ اُسی کا ہو جاتا ہے۔

پس ایسا مومن نہ صرف جسمانی موت کے بعد خدا کی طرف رجوع کرتا ہے، بلکہ وہ اس زندگی میں بھی خدا کی طرف رجوع کر سکتا ہے، وہ اس طرح کہ جب مومن پر کوئی جسمانی یا روحانی مصیبت آپڑتی ہے، تو اُس کی نفسانی خواہشات اور حیوانی صفات کچھ وقت کے لئے یکسر خاموش ہو بیٹھتی ہیں، جس کی وجہ سے وہ مومن اُس وقت اس قابل ہو جاتا ہے، کہ امام زمان علیہ السّلام اور ان کے حدود کے ذریعہ خدائے تعالیٰ سے صلوٰۃ، رحمت اور ہدایت حاصل کر سکے، پس حقیقی مومن کو چاہئے، کہ روحانی یا جسمانی مصیبت کے پیش آتے وقت یہ قول کہا کرے، اور اس کے معنی و تاویل کو اسی طرح ہی سمجھے اور اس پر عمل کرے۔

جب حقیقی مومن یہ قول کہتا ہے، اور اس کے حقائق کو سمجھ لیتا ہے اور ان پر عمل کرتا ہے، تو وہ اُن صبر کرنے والوں میں سے ہو جاتا ہے، جن کو حضرت رسول علیہ السّلام عملی طور پر خوشخبری سُناتے ہیں، کہ انھیں لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے صلوٰت اور رحمت ہیں، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔

تفسیر عمدۃ البیان میں حضرت امام جعفر الصّادق سے روایت

ہے کہ فرمایا رسولِ خدا صلعم نے، کہ جو کوئی چار چیزوں پر عمل کرے، وہ شخص البتہ بہشتیوں میں سے ہو، اوّل کہنا لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ، اور دوسری یہ کہ اگر کوئی نعمت حاصل ہو، تو کہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اور تیسری یہ کہ اگر کوئی گناہ کرے، تو کہے کہ استغفر اللّٰہ، اور چوتھی یہ کہ جس وقت کوئی مصیبت پہنچے، تو کہے، کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّاۤ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن، اس جیسی روایات تفسیر صافی اور کتاب دعائم الاسلام جلد اوّل سے صہ ۲۲۳ - ۲۲۴ میں بھی پائی جاتی ہیں۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۷

کلامِ حکیم ناصر خسرو قدس اللہ سرّہُ العظیم
از کتاب روشنائی نامہ

انسان کے شرف کے بارے میں

[مترجم :۔ علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی]

(۱) تُو خود را می ندانی کیستی تو
بگو تا در جہان بر چیستی تو

ترجمہ :۔ تو اپنے آپ کو نہیں جانتا کہ تو کون ہے (اگر تو اپنے آپ کو جانتا ہے تو) بتا دے کہ دنیا میں تیرا قیام کس چیز پر ہے ؟

مطلب :۔ تُو اپنے آپ کو نہیں پہچانتا کہ تو کون ہے، تیری ابتدائی حقیقت کیا تھی اور آخری حقیقت کیا ہوگی، اگر تُو اپنے آپ کو پہچانتا ہے، تو ہمیں بتا دے کہ اس دُنیا میں تُو کس بنیادی طاقت پہ کھڑا ہے؟

(۲) توئی تو بگو تا خود کدام است
تنی با جان ترا آخر چہ نام است

ترجمہ:۔ اپنی انتہائی خودی بتا دے کہ کون سی ہے؟ تو جسم ہے یا جان، تیرا آخری نام کیا ہے؟

مطلب:۔ انسان گفتگو میں جب اپنے کسی عضو یا اپنی کسی چیز کی طرف معنوی اشارہ کرتا ہے، تو کہتا ہے کہ: "میرا" یا کہتا ہے کہ: "میری"، جس میں دو چیزوں کی درمیانی نسبت کے معنی ہیں، اور جب وہ اپنی خودی اور انائیّت کی طرف اشارہ کرتا ہے، تو "میں" کا لفظ استعمال کرتا ہے، جس میں انسان کی اُس آخری حقیقتِ واحدہ کا ذکر ہے جو بہت سی چیزوں کو اپنانے کی صلاحیّت رکھتی ہے اور پھر ان سب کو چھوڑ کر مجرّد اور بے تعلق ہو سکتی ہے، چنانچہ تو اپنی آخری خودی کے بارے میں بتا دے کہ کونسی ہے، کیا تو یہی ظاہری جسم ہے یا جان؟ معرفتِ ذات کے آخری مقام پر تیری خودی کا کیا نام ہے؟

(۳) تو اَین ریش و سر و سُبلت کہ بینی
تُو پنداری توئی نے نے نہ اینی

ترجمہ:۔ جب تو اپنی اس ڈاڑھی، مونچھ اور سر کو دیکھتا ہے، تو گمان کرتا ہے، کہ بس تُو یہی جسم ہی ہے (اور اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں) نہیں نہیں تو یہ نہیں ہے۔

مطلب:۔ جب تو اپنے جسم اور اسکے اعضاء کو دیکھتا ہے، تو تیرا یہ گمان ہوتا ہے، کہ بس تُو سب کچھ یہی جسم ہے، اور جسم ہی کو اپنی خودی و انائیت قرار دیتا ہے، میں کہتا ہوں کہ یوں نہیں، تُو اپنی ابتدائی اصلیّت

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

اور آخری خودی میں جسم نہیں ہے، بلکہ تو کچھ اور حقیقت ہے۔

(۴) طلسم و بند و زندانِ تو است این
بر و چشمِ خرد بگشائی خود بین

ترجمہ:۔ یہ (جسم اور اس کے حواس) تیرے لئے جادو، بندھن اور قید خانے کی حیثیت سے ہیں، پس جا اور دیدۂ دانش کھول کر اپنے آپ کو دیکھ لے۔

مطلب: جسمانی لذّتیں طلسم، بندھن اور قید خانے کی مثال ہیں، کہ انسان اِن سے نکل کر اپنی ذات کی معرفت تک نہیں پہنچ سکتا، لہٰذا جب تک علم و دانش کی آنکھ حاصل نہ کی جائے، تو نہ اِن رکاوٹوں سے نکل جانے کا کوئی راستہ دیکھا جا سکتا ہے، اور نہ انسان کی آخری حقیقت معلوم ہو سکتی ہے۔

(۵) تُو صورت نیستی معنی طلب کُن
نظر در جسم و جانِ بُو العجب کُن

ترجمہ:۔ تُو ظاہریّت نہیں ہے (بلکہ معنویت ہے پس) تو معنویت طلب کر (اور اپنے اُس) عجیب جسم اور جان کو دیکھا کر۔

مطلب:۔ انسان کی ظاہریّت بادام کے بیرونی چھلکوں کی طرح ہے، اور اس کی معنویّت یعنی جسمِ لطیف اور روحِ ناطقہ مغزِ بادام اور اِس کے تیل کی طرح ہیں، پس تُو اپنے جسمِ خاکی پر نظر نہ کر، بلکہ اپنے اُس عجیب اور معجزانہ جسمِ لطیف اور روحِ ناطقہ کا مشاہدہ کر۔

(۶) زہی نادان کہ خود را جسم دانی
رہا کن این سخن زیرا کہ جانی

ترجمہ:۔ تو عجیب نادان ہے، کہ اپنے آپ کو جسم سمجھتا ہے، اس بات کو چھوڑ دے، کیونکہ تُو جان ہے۔

مطلب: اگر انسان اپنی ساری کوششیں صرف جسم ہی کے لئے کر رہا ہو، تو گویا وہ اپنے آپ کو صرف جسم ہی سمجھتا ہے، حالانکہ اُسے یوں نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ تو دراصل جان یعنی روح کی حیثیت سے ہے۔

(۷) کدامین جان نہ این جانِ طبیعی
نکو بنگر کہ چیزی بس بدیعی

ترجمہ:۔ کون سی جان، یہ جان نہیں جو طبعی ہے، اچھی طرح سے دیکھ لے کہ تُو ایک بہت عجیب چیز ہے۔

مطلب:۔ میں نے جو کہا کہ تو جسم نہیں، بلکہ جان ہے، تو اس سے میری مراد وہ جان ہرگز نہیں، جو طبیعی قسم کی ہے، یعنی وہ نفس نہیں، جو خشکی تری، سردی اور گرمی کے اعتدال پر زندہ رہ سکتا ہے، پس اچھی طرح سے اپنی حقیقت کا مشاہدہ کر، کیونکہ تو ایک انتہائی معجزانہ چیز ہے۔

(۸) تو ئی جانِ سخن گوئی حقیقی
کہ با روح القدس داری رفیقی

ترجمہ:۔ تُو بحقیقت وہ بولنے والی جان ہے، جو روح القدس

کے ساتھ رہا کرتی ہے۔

مطلب:۔ تُو وہ روح ہے، جو بحقیقت بولنے والی ہے، جس کو کہ روح ناطقہ کہا جاتا ہے، جو روح القدس کی ہم نشین ہے، کیونکہ اگر یہ مان لیا جائے، کہ کلام کرنا اس روح کی خاصیت ہے تو اس کی رفاقت اور ہمکلامی کے لئے ایک اور روح کا ہونا لازم آتا ہے، پس درست ہے کہ روحِ ناطقہ روح القدس کی ہم نشین اور ہم کلام ہے۔

(۹) زجا وازجہت ہستی منزّہ
ببین تا کیستی انصاف خود دہ

ترجمہ:۔ مکان اور طرف سے تُو پاک ہے، پس دیکھ لے اور خود ہی انصاف سے بتادے کہ تُو کون ہے۔

مطلب:۔ جب یہ مانا گیا، کہ انسان بحقیقت جسم نہیں، بلکہ رُوح کی حیثیت سے ہے، تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ انسان ایک لامکانی اور لاجہتی حقیقت ہے، کیونکہ روح مکان و زمان سے بالاتر ہے، پس معرفت کی آنکھ سے اپنے آپ کو دیکھ لے اور خود ہی انصاف سے بتادے، کہ تُو کون ہے، اور تیری ہستی کی آخری حقیقت کیا ہے۔

(۱۰) نگر تا درگمان اینجا نیفتی
قدم بفشار تا از پا نیفتی

ترجمہ:۔ (چشمِ باطن سے) دیکھ لیا کر، تاکہ تو اِس مقام

پڑ ہی گمان میں گر نہ جائے، قدم جما کر چل، تا کہ تو گر نہ پڑے۔

مطلب:۔ معرفتِ ذات کی ابتدائی منزل علم الیقین ہے، درمیانی منزل عین الیقین ہے اور آخری منزل حق الیقین ہے، اور علم الیقین کی منزل سے پہلے جو راستہ آتا ہے، وہ گمان ہی گمان ہے، یعنی وہ ایک تاریک راستہ ہے، اور اگر اس تاریکی میں خدا کے نور نے ہدایت نہ فرمائی، تو انسان گر جانے کا خطرہ درپیش رکھتا ہے پس انسان کو چاہئے، کہ دیدۂ دانش سے کام لے کر ذریعۂ ہدایت کو پہچان لیا کرے، اور قدم جما کر منازلِ یقین کی طرف آگے بڑھتا جائے۔

(۱۱) بچشم سر جمالت دیدنی نیست
کسی کو دید رویت چشم معنیست

ترجمہ:۔ سر کی آنکھ سے تیرا جمال دکھائی دینے والا نہیں، وہ شخص جس نے تیرا (یہ روحانی) چہرہ دیکھا (کوئی نہ تھا، مگر) چشمِ حقیقت ہی ہے۔

مطلب:۔ اس ظاہری آنکھ سے تیرا روحانی حسن وجمال دیکھ نہیں جا سکتا، پھر ایسا کوئی شخص کہاں ہے، جس نے اپنی ظاہری آنکھ سے اپنا یہ جلوہ دیکھا ہو، مگر یہی ہے کہ دیدۂ حقیقت سے یہ جلوہ دیکھا گیا ہے۔

(۱۲) صفاتت از صفتہائی خدائیست
ترا این روشنی زان روشنائیست

ترجمہ:۔ تیری (روحانی) صفات خدا تعالیٰ کی صفات سے ہیں، تجھ کو یہ (علم و دانش کی روحانی) روشنی اُس (خدا کی ہمہ گیر و ہمہ رس) روشنی سے حاصل ہے۔

مطلب:۔ جب قرآن ہمیں یہ تعلیم دیتا ہے، کہ خدا تعالیٰ عقلانی و روحانی طور پر کائنات و موجودات کا نور ہے، تو لازماً وہ مہربان مالک انسانی صفات کا بھی نور ہے، پس انسان کی یہ باطنی روشنی دراصل خدا ہی کی روشنی ہے، اور اس روشنی کے زیرِ اثر انسان کی جو پسندیدہ صفات ہوتی ہیں۔ گویا وہ خدا ہی کی اپنی صفات ہیں۔

(۱۳) همی بخشد کزو چیزی نکاهد
ترا داد و دهد آنرا که خواهد

ترجمہ:۔ تجھ کو وہ (اپنی صفات سے صفات اور اپنی روشنی سے روشنی) کچھ اس طرح عطا فرماتا ہے کہ (اس کی صفات میں) کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ تجھے عطا فرمایا، اور اسی طرح وہ جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔

مطلب:۔ جب خدا تعالیٰ اپنی صفات اور اپنی روشنی میں سے اپنے خاص بندوں کو صفاتِ عالیہ اور نورِ ہدایت عطا فرماتا ہے تو اس کی ذات و صفات میں ہرگز کوئی کمی واقع نہیں ہوتی اور اس کے اختیار میں ہے کہ وہ جس کو چاہے عطا کرے، جس طرح خود تجھے یہ روحانی نعمتیں عطا کی گئی تھیں۔

(۱۴) زنورِ او تُو ہستی ہمچو پرتو
وُجودِ خود بپرداز و تُو اُو شو

ترجمہ:۔ تو اُس کے نورُ سے عکس (یعنی روشنی) کی طرح ہے، پس اپنے وجود کو فنا کر دے، اور تو وہ ہو جا (یعنی خدا کی بقا میں ہمیشہ کے لئے باقی رہا کر)

مطلب:۔ خدا تعالیٰ گویا نورانیت کا سورج ہے، اور تو اُس کا وہ عکس ہے، جو آئینے میں نظر آتا ہے، پس اگر تُو چاہتا ہے، کہ یہ عکس سورج کے ساتھ مل کر ایک ہو جائے، تو اپنے وجود کے آئینے کو ختم کر ڈال، یعنی جب تیری خودی اور انائیت خدا کے نور تک پہنچ چکی ہے تو اپنی ہستی کو مٹا دے، تاکہ دوئی ختم ہو کر وحدت ہی وحدت رہے۔

(۱۵) حجابت دُور دارد گر بجوئی
حجاب از پیش برداری تو اُوئی

ترجمہ:۔ اگر تو اسے ڈھونڈے، تو وہ تیرے لئے اپنا پردہ ہٹا دے گا (اور جب) تو نے پردہ کو ہٹا دیا، تو (یہ حقیقت تجھ پر منکشف ہوگی کہ) تو خود ہی وہ ہے۔

مطلب:۔ اگر تو خدا کو ڈھونڈے، تو وہ ایسا مہربان ہے، کہ وہ خود ہی اپنا پردہ تیرے سامنے سے ہٹا دے گا، اور جب تُو نے اسی طرح خدا کی مدد سے پردے کو ہٹا دیا، تو یہ حقیقت تجھ پر کھل جائے

گی، کہ فی الاصل تیری خودی اور انائیت خدا سے کبھی جُدا ہی نہیں ہوئی ہے۔

(۱۶) بہشت و دوزخی دیگر جُز این نیست
جُز این داند کہ او باریک بین نیست

ترجمہ:۔ اس حقیقت کے سوا کوئی بہشت اور کوئی دوزخ ہی نہیں، اور جو شخص باریک بین نہ ہو، تو وہ بہشت اور دوزخ کو، اس کے سوا سمجھتا ہے۔

مطلب:۔ یہی علم و معرفت اور خدا کی وحدت حقیقی بہشت ہے، اور اسی میں وہ تمام لذتیں اور راحتیں مجموع ہیں، جن کا ذکر قرآن و حدیث میں ہے، اور اس وقت وحدت سے محروم رہ جانا ہی دوزخ ہے، جس میں ہر قسم کا عذاب موجود ہے، جس طرح خدا و رسول نے اس کا بیان فرمایا ہے، والسلام۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۱۸

قصیدۂ منتخب از **دیوانِ قائمیات** منجملۂ اشعار

رئیس حسن (مترجمۂ: علامہ نصیرالدین نصیر ہونزائی)

(۱) ہر دل کہ با رضایِ امام آشنا شود
بے ہیچ شک نشانۂ امر خدا شود

ترجمہ:- ہر دل جو امامِ زمان علیہ السّلام کی خوشنودی سے واقف ہو جائے (اس میں) کوئی شک ہی نہیں کہ وہ خدا کے امر کا نشانہ (یعنی توفیق و ہدایت نازل ہونے کا مقام) بن جاتا ہے۔

(۲) آن بندہ باشد آنکہ بمعنی و منزلت
بر ساکنانِ عالمِ جان بادشاہ شود

ترجمہ:- وہ بندہ (اس خوشنودی کی بدولت) اس قابل ہوجاتا ہے، کہ وہ حقیقت اور مرتبت میں روحانی عالم کے باشندوں پر پادشاہ ہوگا۔

(۳) جائے رسد بقوتِ روح القدس کہ خاک
درزیرِ نعلِ مرکبِ او کیمیا شود

ترجمہ:۔ وہ شخص روح القدس کی قوت و تائید سے ایک ایسے (بلند) مقام پر پہنچتا ہے، کہ اُس کے گھوڑے کے نعل کے نیچے مٹی کیمیا (یعنی سونا) بن جاتی ہے۔

(۴) نفسِ شریفِ او بمعانی درارتقاء
زین عشوۂ شواغلِ حِس مُرتقا شود

ترجمہ:۔ اُس کا شریف نفس (یعنی روحانی مشاہدہ) حقائق کے ذریعہ ارتقاء و عروج کے سلسلے میں حسی مشغلوں کے اس فریب سے (گذر کر) بلند ہو جاتا ہے۔

(۵) نورِ ضمیرِ او بکرامات و معجزات
خورشیدِ اوجِ کُنگرۂ کبریا شود

ترجمہ:۔ اُس کے ضمیر کا نور (روحانی) کرامات و معجزات (کے سلسلے) میں بزرگی کی چوٹی کی بلندی کا سورج بن جاتا ہے۔

(۶) انصارِ دین و دعوتِ حق را در اعتقاد
ہم پیشوائے مطلق و ہم مقتدا شود

ترجمہ:۔ وہ شخص اعتقادی طور پر دین کے مددگاروں اور دعوتِ حق کرنے والوں کے لئے حقیقی پیشوا اور رہنما ہو جاتا ہے (یعنی اُس کی روح کی اصلیت امامِ زمان کی ہستی میں موجود نظر آنے لگتی ہے)۔

(۷) ہان اے حسن نہ موسم آن است کز ہوس
جان و دلِ تو جعبۂ تیرِ ہوا شود

ترجمہ:۔ خبردار اے حسن! (اب) وہ وقت نہیں، کہ حرص و ہوس کی وجہ سے تیری جان اور دل نفسانی خواہشات کے تیروں کا ترکش ہوجایا کرے۔

(۸) یا بازِ فکر و وہم تو در کسبِ جاہ و مال
موقوف این نشیمنِ خوف و رجا شود

ترجمہ:۔ یا (یہ کہ) تیری فکر اور وہم کا باز (دُنیوی) عزّت اور مال کمانے کے لئے اِس خوف اور اُمید کے ٹھکانے میں ٹھہرا رہے۔

(۹) یا ہمّت تو از رہِ آز و نیاز و حرص
مشتاقِ این سرایِ مجاز و فنا شود

ترجمہ:۔ یا (یہ کہ) طمع، احتیاج اور حرص کے طریقے پر تیری ہمّت اِس مجاز و فنا کے گھر (یعنی دنیا) ہی کی مشتاق ہوجایا کرے۔

(۱۰) می دان کہ حُبِّ جاہ بلائی بُوَد عظیم
کابلیس باشد آنکہ بآن مُبتلا شود

ترجمہ:۔ جان لے کہ (دُنیوی) عزّت کی محبّت ایک عظیم بلا ہے، کیونکہ جو شخص اس میں گرفتار ہوجائے، تو وہ ابلیس بن جاتا ہے۔

ISL
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

(۱۱) مُوراست حُبِّ مال مرورا امان مدہ
کان مُور مار گرد دومار اژدھا شود

ترجمہ :۔ دولت کی محبّت گویا حریص چیونٹی ہے، تو (اپنے اندر) اُس کو نہ رہنے دے، کیونکہ وہ چیونٹی تو سانپ بن جاتی ہے، اور وہ سانپ اژدھا بن جاتا ہے۔

(۱۲) وقت است اگر دل تو بتوفیق ذوالجلال
زین کائناتِ عالم خاکی جُدا شود

ترجمہ :۔ اگر خدائے بزرگ کی توفیق سے تیرا دل اس عالمِ خاکی کی کائنات سے یکسو ہو جائے تو عین موقع ہے۔

(۱۳) ذاتِ تُو در جماعتِ قائم باختیار
شائستۂ متابعتِ اولیا شود

ترجمہ :۔ (دورانِ حال) تیری ذات جماعت قائمہ کے ساتھ منتخب ہو کر اولیاء اللہ (یعنی آئمۂ برحق) کی پیروی کی قابل ہو گی۔

(۱۴) تائیدِ نور بخش خداوندِ حق تُرا
بخشندۂ سعادتِ بے مُنتہا شود

ترجمہ :۔ (پھر اُس وقت) امام برحق کی وہ تائید جو نور عطا کر دینے والی ہے، تجھے کبھی ختم نہ ہونے والی سعادت بخشے گی۔

(۱۵) صاحب زمان کہ بہر سجُود جناب او
ہر لحظہ پُشتِ عالمِ اعلیٰ دوتا شود

ترجمہ:۔ صاحب زمان (کی یہ شان ہے) کہ ان کے حضور میں سجدے کے لئے عالمِ بالا کی پشت ہمیشہ جھکی ہوئی ہوتی ہے۔

(۱۶) مولا محمدؐ آنکہ اثرِ خاکِ پای او
در چشمِ عقل سُرمۂ کشف الغطا شود

ترجمہ:۔ مولانا محمد علیہ السلام وہ ہیں، جن کی خاک پا کا اثر عقل کی آنکھ سے (روحانی تاریکی کا) پردہ ہٹا دینے والا سُرمہ بن جاتا ہے۔

(۱۷) ای آنکہ بے اجابتِ تو نیست در وجود
کز ہیچ باب حاجتِ عالم روا شود

ترجمہ:۔ اے وہ ہستی! جو آپ کی قبولیّت کے سوا یہ امر ممکن اور موجود نہیں، کہ دنیا والوں کی حاجت کسی اور سبب سے روا ہو جائے۔

(۱۸) گر سایۂ سخط فگنی بر فرشتۂ
دیوِ زمانہ گردد و کارش ہبا شود

ترجمہ:۔ اگر آپ کسی فرشتے پر ناخوشنودی کا سایہ ڈالیں، تو وہ زمانے کا شیطان بن جاتا ہے، اور اُس کا (تمام سابقہ نیک) عمل ناچیز ہو جاتا ہے۔

(۱۹) ور دیو را بچشمِ عنایت کنی نگاہ
ہمچون فرشتہ معدنِ صدق و صفا شود

ترجمہ:۔ اور اگر آپ شیطان کو مہربانی کی نظر سے دیکھیں، تو وہ فرشتہ ہی کی طرح صدق وصفا کی کان بن جاتا ہے۔

(۲۰) زندان سرائے حادثہ بر بندگانِ تُو
از رحمتِ تو روضۂ دارالبقاء شود

ترجمہ:۔ (اگر آپ چاہیں تو) حادثات کا قید خانہ (یعنی یہ دنیا) آپ کے بندوں کے لئے آپ کی رحمت سے عالمِ بقا کی بہشت بن جاتا ہے۔

(۲۱) این بندۂ ضعیف کہ از ترسِ فعلِ خویش
رنگِ رخش ہمی بصفت کہرُبا شود

ترجمہ:۔ (آپ کا) یہ عاجز بندہ ایسا ہے، کہ اپنے عمل کے خوف سے اس کے چہرے کا رنگ کہرُبا کے رنگ کی طرح ہو جاتا ہے۔

(۲۲) از غایتِ فسادِ خیالات ہر زمان
بروی ہمی صواب دو گیتی خطا شود

ترجمہ:۔ ہمیشہ خیالات کی انتہائی خرابی کی وجہ سے اس کے دونوں جہان کا درست کام غلط ہو جاتا ہے۔

(۲۳) لیکن بعزّ و قدر مطیعانِ عہد تُو
گیرد امید با سرورد و دعا شود

ترجمہ:۔ لیکن وہ آپ کے زمانے کے حقیقی فرمانبرداروں کی

عزّت وقدر کے وسیلے سے توقع رکھتا ہے، اور ورود دُعا کے خیال میں رہتا ہے۔

(۲۴) تا بُوکہ از شفاعتِ ایشان دران نَفَس
کین مرغِ جان ازین قفسِ تن جُدا شود

ترجمہ:۔ تاکہ اُن کی سفارش حاصل ہو اُس وقت جبکہ روح کا پرندہ جسم کے اِس قفس سے نکل جاتا ہے۔

1-3-67

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۲۲

جلوۂ نورِ خدائی پیشوائے ملّتی

(مترجمۂ علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

یہ نشاط آور تواریخی واقعہ ۲۴ فروری ۱۹۱۱ء کا ہے، کہ جب امام مولانا سلطان محمد شاہ (علیہ الصلوٰۃ والسلام) علیگڑھ یونیورسٹی کے امدادی چندہ کے لئے شہرِ لاہور میں تشریف فرما ہوئے، تو اسلامیہ کالج لاہور کی جانب سے امامِ عالی مقام کی خدمتِ اقدس میں حسبِ ذیل نظم پڑھی گئی:۔

(۱) مرحبا ای ساربانِ محملِ ما مرحبا
مرحبا ای رہبر و ای خضر برنا مرحبا

ترجمہ:۔ مرحبا ای ہمارے ملکی و ملّی ترقی کی سواری کے ساربان! مرحبا!! مرحبا ای ہمارے قومی پیشوا اور جوان سال خضر! مرحبا!!

(۲) "قُم باذن اللہ" گفتی مُردگانِ قوم را
مرحبا ایجادِ اعجازِ مسیحا مرحبا

ترجمہ:۔ آپ نے "قُم باذن اللہ" (یعنی خدا کے حکم سے اُٹھ کھڑے

ہوجاؤ یعنی زندہ ہوجاؤ) کہہ کر گویا ہماری قوم کے اُن مُردوں کو زندہ کر دیا، جو پس ماندگی اور جہالت کی موت مر چکے تھے۔ مرحبا ای حضرت عیسیٰ مسیح کے معجزات کر دکھانے والے! مرحبا!!

(۳) مرحبا ای ساقیٔ میخانۂ علم و ہُنر
مرحبا ای ہادیِ گمگشتانِ بے خبر

ترجمہ:۔ مرحبا اے علوم و فنون کے میخانے کے ساقی! مرحبا ای وادیٔ لاعلمی میں کھوئے ہوؤں کو از سرِ نو شاہراہِ ترقّی پر گامزن کر دینے والے!!

(۴) نامِ نیکت کارِ نیکت در جہان باشد مُدام
فخرِ دین و فخرِ ایمان بانیٔ دارالسّلام

ترجمہ:۔ آپ کا نیک نام اور آپ کے اچھے کام رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے۔ آپ ہمارے دینِ اسلام اور ایمان کے لئے باعثِ فخر و مباہات ہیں، اور آپ شہر دارالسّلام کے بانی ہیں۔

(۵) میرِ عالی گوہری و رہنمائی ملّتی
جلوۂ نورِ خدائی پیشوائی ملّتی

ترجمہ:۔ آپ ہمارے عالی نسب سردار (یعنی آلِ محمدؐ) ہیں۔ اور ہماری مقدس ملّت کے رہنما ہیں، آپ خداوند تبارک و تعالیٰ کے عالمِ کبیر نورِ ہدایت کی جلوہ گاہ ہیں اور ہماری پاک ملّتِ اسلامیہ کے پیشوا ہیں۔

چاند رات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۲۷

خانہ اور صاحبِ خانہ

از کلیاتِ شمسؒ تبریزی
(ترجمہ و شرح از علامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

۱۔ ای قومِ بحج رفتہ کجائید کجائید
معشوق ہمین جاست بیائید بیائید

ترجمہ:۔ اے لوگو! جو (بطریقِ ظاہر خانۂ کعبہ کے) حجّ کے لئے گئے ہو، کہاں ہو؟ کہاں ہو؟ تمہارا حقیقی معشوق تو یہیں ہے، آجاؤ آجاؤ۔

۲۔ معشوقِ تو ہمسایہ و دیوار بدیوار
در بادیہ سرگشتہ شما درچہ ہوائید

ترجمہ:۔ تمہارا حقیقی محبوب تو تمہارے پڑوس ہی میں ہے (اور وہ تم سے اس قدر نزدیک ہے کہ) اُس کے اور تمہارے

گھر کی دیوار ایک ہے۔ تُم حیران اور پریشان ہوکر صحرا و بیابان میں کِس چیز کی آرزو اور جستجو کر رہے ہو؟

۳۔ گر صورتِ بے صورتِ معشوق ببینید
ہم خواجہ و ہم خانہ و ہم کعبہ شمائید

ترجمہ:۔ اگر تم حقیقی معشوق کی غیر مشخصی صورت (کے غیر فانی جلال و جمال) دیکھو گے (تو تمہیں یقین ہی کرنا پڑے گا کہ درحقیقت) اُس گھر کے مالک بھی، وہ گھر بھی اور وہ کعبہ بھی تم خود ہی ہو۔

۴۔ دہ بار ازآن راہ بدان خانہ برفتید
یک بار ازین خانہ برین بام برآئید

ترجمہ:۔ تُم دس دفعہ اُس (دُور دراز جسمانی) راستے سے جا کر اُس گھر میں دیکھ چکے (اب کم ازکم) ایک دفعہ (اپنے وجود کے) اس گھر سے (روحانیت کی) اس چھت پر بھی چڑھ کر ذرا دیکھو تو سہی۔

۵۔ آن خانہ لطیف است نشانہاش بگفتید
از خواجۂ آن خانہ نشانی بنمائید

ترجمہ:۔ (تمہارے کہنے کے مطابق) وہ گھر (یعنی خانۂ کعبہ) جس کے نشانات تم بتا چکے، خوبصورت ہی سہی۔ مگر تُم اُس گھر کے مالک کا بھی کوئی نشان ہمیں بتا دو (کیا تم نے صرف گھر ہی دیکھا اور گھر کے مالک کو نہیں دیکھا؟)

۶۔ یک دستۂ گُل کُو اگر آن باغ بدیدید
یک گوہر جان کو اگر از بحرِ خدائید

ترجمہ:۔ اگر تم نے (علم و معرفت کے) اُس باغ کو دیکھ پایا ہے تو ہمیں (بطورِ نمونہ) کوئی گُلدستہ دکھادو۔ اور اگر تم (اپنے دعوی کے مطابق) خدا کے نورانی سمندر سے ہو (یعنی اگر تم معرفتِ ذات کے سمندر کے غوّاص ہو) تو ہمیں کوئی روحانی موتی دکھادو (تاکہ ہم تمہارے کہنے پر باور کریں)۔

۷۔ با این ہمہ، آن رنجِ شما گنج شما باد
افسوس کہ بر گنجِ شما پردہ شمائید

ترجمہ:۔ ان تمام (خامیوں) کے باوجود دُعا ہے، کہ تمہاری وہ (ساری) تکالیف تمہارے لئے (روحانی) خزانے کی صورت اختیار کرجائیں! مگر افسوس (اس کے لئے کیا کیا جائے!) کہ تم خود ہی اپنے اُس گنجِ گرانمایہ کے سامنے پردہ (بن کر بیٹھے) ہو۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۲۹

عملی تصوّف کے روشن حقائق

منتخب از کلّیاتِ شمس تبریزی

(مترجمہ علامہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائی)

(۱) ما آتشِ عشقیم کہ در موم رسیدیم
چون شمع بپروانۂ مظلوم رسیدیم

ترجمہ:- ہم عشق کی آگ ہیں، جو موم بتی میں پہنچ گئے۔ شمع (کے شعلے) کی طرح بیچارہ پروانے میں پہنچ گئے۔

(۲) یک حملۂ مردانۂ مستانہ بکردیم
تا علم بدادیم بمعلوم رسیدیم

ترجمہ:- ہم نے (اپنے نفس کے خلاف) مست بہادروں کی طرح ایک بھرپور حملہ کر دیا۔ یہاں تک کہ ہم نے اپنا علم دے دیا، اور ہم معلوم (یعنی معشوقِ حقیقی) تک پہنچ گئے۔

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

(۳) آن مہ کہ نہ بالاست نہ پستست بتابید
وانجاکہ نہ محمود نہ مذموم رسیدیم

ترجمہ:۔ وہ (روحانی اور لامکانی) چاند طلوع ہُوا، جو نہ آسمان میں ہے نہ زمین پر۔ (جس کی تابناک روشنی میں)، ہم وہاں پہنچ گئے، جہاں اچھے اور بُرے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

(۴) تا حضرتِ آن لعل کہ در کون نگنجد
بر کوریٔ ہر سنگدلِ شوم رسیدیم

ترجمہ:۔ ہر سنگدل نا اہل شخص اپنے اندھاپنے ہی میں رہا، اور ہم اُس لعل (یعنی گوہرِ عقل) کے حضور تک پہنچ گئے، جو (اپنی وسعتِ نورانیت کی وجہ سے) کائنات میں سمویا نہیں جاتا۔

(۵) با آیتِ کرسی بسوی عرش پریدیم
تا حیؔ بدیدیم بقیوم رسیدیم

ترجمہ:۔ آیتہ الکرسی کے ذریعے (جس میں اسمِ اعظم کے عظیم ترین اسرار پوشیدہ ہیں)، ہم نے عرشِ اعلیٰ کی طرف پرواز کیا (کیونکہ) جب ہم نے حیؔ (یعنی زندہ انسانِ کامل) کو دیکھ پایا اور پہچان لیا، تو ہم قیوؔم تک پہنچ گئے۔

(۶) امروز از آن باغ چہ با برگ و نوائیم
تا ظن نبری خواجہ کہ محروم رسیدیم

ترجمہ:۔ آج جبکہ ہم اُس (علم و عرفان کے) باغ کی بدولت سازو

سامان کے ساتھ ہیں، تو اے خواجہ! تو یہ گمان نہ کرنا، کہ ہم (اُس باغ سے) محروم آئے ہیں۔

(۷) ویرانہ بہ بوم ماں بگذاریم چو بازان
مائوم نہ ایم ارچہ درین بوم رسیدیم

ترجمہ:۔ ہم باز اور شاہین کی طرح یہ کھنڈر (یعنی دنیا) اُلوّوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں (کیونکہ کھنڈر اُلوّوں کی جگہ ہے اور) ہم اُلوّ نہیں ہیں، اگرچہ ہم اس زمین پر اُتر آئے ہیں۔

(۸) زُنّار گسستیم بر قیصرِ رومی
تبریز ببر قصہ کہ در روم رسیدیم

ترجمہ:۔ (ہماری دینی غیرت و مردانگی کا یہ عالم ہے کہ) ہم نے قیصرِ روم ہی کے سامنے زُنّار توڑ دی۔ اے تبریز! تو یہ قصہ دُنیا کو سُنا دے، کہ ہم (اب) روم میں پہنچ گئے ہیں۔

چاند رات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۳۲

وہ نور جس کے ذریعہ خدا دیکھا جا سکتا ہے

منتخب از کُلیّاتِ شمس تبریزی

ترجمہ از علاّمہ نصیر الدّین نصیر ہونزائی

دلی یا دیدۂ عقلی تُو یا نورِ خدا بینی
چراغ افروزِ عشّاقی تُو، یا خورشیدِ آئینی

ترجمہ:- (اے حقیقی معشوق!) آپ دل ہیں یا عقل کی آنکھ! یا آپ وہ نور ہیں، جس کے ذریعے خدا دیکھا جا سکتا ہے! آپ عاشقوں کا چراغ روشن کرنے والے ہیں یا دین کا سورج!

چُو نامت بشنود دلہا نگنجد در منازلہا
شود حل جملہ مشکلہا بنورِ لم یزل بینی!

ترجمہ:- جب (عاشقوں کے) قلوب آپ کا (حقیقی) نام سنتے ہیں تو خوشی سے پھُولے نہ سماتے ہیں (اور) اُس نور کی بدولت، جس کے ذریعہ خُدا دیکھا جا سکتا ہے، تمام مشکلات حل ہو جاتی ہیں۔

بگفتم آفتابا، تُو مرا ہمراہ کُن با تو
کہ جملہ درد ہا را تو شفا گشتی و تسکینی

ترجمہ:۔ میں نے کہا کہ اے سورج! آپ مجھے اپنا ساتھی بنا لیجئے، کیونکہ آپ ہر قسم کے دُکھ درد کے لئے شفا اور تسکین ہیں۔

بگفتا: جان رُبایم من قدم بر عرش سایم من
بآب و گِل کم آیم من مگر در وقت و ہر حینی

ترجمہ:۔ انہوں نے فرمایا کہ میں بڑا جان لیوا ہوں (اور میری عالی مرتبتی کی یہ شان ہے کہ اپنے عرشِ معلّیٰ پر قدم رکھتا ہوں، پانی اور گارے میں بہت کم آتا ہوں، مگر موقع پر اور ہر وقت۔

چو تو از خویش آگاہی ندانی کرد ہمراہی
کہ آن معراجِ الٰہی نیابد جز کہ مسکینی

ترجمہ:۔ جب تو صرف اپنے آپ سے خبر رکھتا ہے، تو تُو میری رفاقت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ معراجِ الٰہی (یعنی میری رفاقت) کسی عاجز و مسکین بندے کے سوا دوسرے کو حاصل نہیں ہوتی۔

تُو مسکینی درین ظاہر درونت نفسِ بس قاہر
یکی سالوسکِ کافر کہ رہزن گشت رہ شینی

ترجمہ:۔ تُو اس ظاہریت میں مسکین ہے۔ مگر تیرے باطن میں نفس بڑا زبردست ہے، وہ ایک ایسا مکار کافر ہے کہ وہ ایک راہ نشین (یعنی بھکاری تھا، مگر اب) ڈاکو بن گیا ہے۔

Institute for Spiritual Wisdom Luminous Science

مکن پوشیدہ از پیری، چنین مُو در چنین شیری
یکی پیری کہ علمِ غیب زیرِ اوست بالینی

ترجمہ :۔ ایسے دودھ میں جو یہ بال گر پڑا ہے، وہ کسی پیرومُرشد سے نہ چھپایا کر، خصوصًا ایک ایسے پیرومُرشد سے، جس کے تحت علمِ غیب تکئے کی طرح مستعمل ہے۔

طبیبِ عاشقان است او جہان را ہمچو جان است او
گدازِ آہنان است او بآہن دادہ تلئیتی

ترجمہ :۔ وہ عاشقوں کے طبیب ہیں، وہ عالم کی روح ہیں، وہ لوہوں (یعنی سخت دلوں) کے پگھلانے والے ہیں، جنہوں نے لوہے کو (پگھل کر) نرم ہو جانے کی خاصیت بخشی ہے۔

کُند در حال گِل را زر، دہد در حال تن را سر
از و انوارِ دین یابد روان و جانِ بے دینی

ترجمہ :۔ (ان کی یہ شان ہے کہ) وہ فوراً ہی گارے کو سونا بنا دیتے ہیں اور فوراً ہی جسم کو سر عطا کر دیتے ہیں (جب انہوں نے عنایت فرمائی تو) انہی کے ذریعہ کسی بے دین شخص کی رُوح اور جان کو بھی انوارِ دین نظر آتے لگتے ہیں۔

وران دہلیز و ایوانش، بیا بنگر تو بُرہانش
شدہ ہر مردہ از جانش یکی ویسی و رامینی

ترجمہ :۔ اُن کی دہلیز اور شاہی محل میں آکر اُن کی (کرامت و توانائی کی) دلیل دیکھ لیا کر، کہ ہر مُردہ ان کی معجزانہ روح کی بدولت ویس اور رامین

ہوگیا ہے۔

زشمس الدین تبریزی دلا این حرف می بیزی
بامّیدی که باز آید ازان خوش شاه شاہینی

ترجمہ :۔ اسے دل! تو ان باتوں کی چھان بین شمس الدّین تبریزی ہی کے بارے میں کرتا ہے، اس توقّع سے کہ اُن عالی مرتبت بادشاہ کی طرف سے پھر کوئی شاہین آجائے۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۳۵

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

درشناختنِ نفس

اپنی ذات کی پہچان کے بارے میں

{از روشنائی نامۂ حکیم سیدنا پیر ناصر خسرو قدس اللہ سرّہٗ
ترجمۂ علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی}

(۱) بدان خود را کہ گر خود را بدانی
ز خود ہم نیک و ہم بد را بدانی

ترجمہ:۔ (اے مومن!) اپنے آپ کو پہچان لے، کیونکہ اگر تُو خود کو پہچانے، تو اپنی ذات (کی اسی معرفت کے ذریعے) سے خیر کی حقیقت بھی اور شر کی حقیقت بھی سمجھ سکے گا۔

---

(۱) حکمت:۔ جب بموجبِ حدیث انسان کی اپنی معرفت ہی خدا کی معرفت ہے اور جب خدا کے متعلق "ہمہ اوست" کا نظریہ صحیح ہے، تو خدا کی کُلّی معرفت کے ضمن میں ہر چیز کی حقیقت معلوم ہونے میں کیوں تعجب ہو۔

(۲) شناسائی وُجودِ خویشتن شو
پس آنگہ سرفرازِ انجمن شو

ترجمہ:۔ پہلے تُو اپنی ہستی و ذات کا شناسا و عارف ہو جا، پھر اس (علم و معرفت سے مالا مال ہونے) کے بعد میرِ مجلس ہو جا۔

(۳) چو خود دانی ہمہ دانستہ باشی
چو دانستی زہر بدرستہ باشی

ترجمہ:۔ جب تُو خود کو پہچانے، تو لازماً تجھے تمام چیزوں کا علم حاصل ہوگا، اور جب تمام چیزوں کا علم حاصل ہوا، تو یقیناً تجھے ہر قسم کے شر سے چھٹکارا ملے گا۔

(۴) ندانی قدرِ خود زیرا نچینی
خدا بینی اگر خود را بہ بینی

---

(۳) حکمت:۔ انسانی روح حق تعالیٰ کی تمام صفاتِ کاملہ کا آئینہ اور ساری کائنات کا خلاصہ ہے جس کی معرفت حاصل کرنے کے بعد عارف کے تصوّر سے کوئی ضروری علم باہر نہیں رہ سکتا پس عارف کو اسی تحقیق و تدقیق کے سلسلے میں ہر قسم کی برائی سے ابدی نجات ملتی ہے۔

(۴) حکمت: حق تعالیٰ نے انسان کو جو سب سے زیادہ قیمتی اور قابلِ قدر گوہر عطا کر دیا ہے وہ اسکی رُوح ہے جو شخص اس نایاب اور گرانقدر گوہر کی قدر و قیمت نہیں جانتا ہو، تو ظاہر ہے، کہ وہ روحانی طور پر مفلس اور زبون حال ہو جائے گا، نیز جس شخص کی نظر صرف اپنے جسم اور اس کی پرورش تک ہی محدُود ہو جائے تو وہ دیدارِ الٰہی سے محرُوم ہے۔

ترجمہ:۔ تُو اپنی قدر و قیمت نہیں جانتا، اسی وجہ سے تیرا یہ حال ہوا ہے، مگر تُو خود بینی اور تن پروری کا نظریہ ترک کرے، تو یقیناً تجھے حق تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل ہوگا۔

(۵) تُرا نہ چرخ و ہفت اختر غلام است
توشاگردِ تنی حیف تمام است

ترجمہ:۔ نو آسمان اور سات ستارے تیرے غلام ہیں۔ لیکن بہت ہی افسوس ہے کہ تو اپنے جسم کا نوکر اور چیلا بنا ہے۔

(۶) مشو پابند لذّاتِ بہیمی
اگر جُو یایِ آن خُرّم نعیمی

ترجمہ:۔ اگر تو (جان و دل سے)، اُس مسرّت بخش (ملکوتی) نعمت کا طلب گار ہے، تو حیوانی قسم کی لذّتوں کو یکسر ترک کردے۔

(۷) چو مردان باش و ترکِ خواب و خور کُن
چو سیّاحان یکے در خود سفر کُن

ترجمہ:۔ روحانی بہادروں کا شعار اختیار کرکے خوراک اور نیند کو ترک کر دے، اور جس طرح دنیا کے سیّاح اس دنیا میں سفر کرتے ہیں، اسی طرح تو اپنی ذات (کی وسعتوں) میں ایک دفعہ سفر کر۔

(۸) کہ باشد خواب و خور کارِ بہائم
بمعلومات شد جانِ تو قائم

ترجمہ:۔ کیونکہ غذا اور نیند مویشیوں کا فعل ہے، اور تیرے

نفسِ ناطقی کا قیام معلومات پر ہے۔

(۹) یکے بیدار شو تا چند خفتی
ببین خود را کہ چیزی بس شگفتی

ترجمہ:۔اے مومن! خُدا را !! کچھ راتوں) جاگتا بھی رہا کر، آخر کب تک یوں سوتا رہے گا، اپنی روح کا ذرا مشاہدہ کر، کہ تو ایک انتہائی عجیب مخلوق ہے۔

(۱۰) تفکّر کن ببین تا از کجائی
درین زندان چنین بہر چرائی

ترجمہ:۔(اپنے بارے میں خوب) غور و فکر کر، کہ تو کہاں سے آیا ہے، اور تو اِس دنیا کے قید خانے میں ایسا خستہ حال کیوں ہے۔

---

(۹) حکمت:۔ رسُول اکرمؐ کی حدیث ہے کہ نیند موت کی بہن ہے، اس ارشاد سے دو موتیں ثابت ہوئیں۔ ایک جسمانی موت اور ایک روحانی موت، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مومن کی شب بیداری اس کی روحانی زندگی ہے اور غیر واجبی نیند اُس کی روحانی موت، پس جو مومن اصولِ روحانیت کے مطابق کم سوئے اور زیادہ جاگے، تو رفتہ رفتہ اس کی رُوح الایمان زندہ ہو جائے گی، اور وہ اپنے باطن کے روحانی و عقلانی عجائبات و غرائبات کا نظارہ کرنے لگے گا۔

(۱۰) حکمت:۔ مومن کی مفروضہ عبادتوں میں سے ایک یہ بھی ہے، کہ وہ اپنی

(۱۱) قفس بشکن ببرجِ خویشتن شو
چو ابراہیمؑ آزر بُت شکن شو

ترجمہ:۔ تُو عبادت و ریاضت کی طاقتوں سے اپنے جسم کے (پنجرے کو توڑ کر اپنے محلِ خاص میں چلا جا، اور ابراہیمؑ آذر کی طرح بُت توڑنے والا ہو جا۔

(۱۲) تو زین سان آفریدہ بہر کاری
دریغ آید کہ مہمل در گذاری

ترجمہ:۔ تُو کسی خاص کام کے لئے اس قدر عجیب و غریب صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے، اگر تو اپنے آپ کو بیکار چھوڑے تو بڑا افسوس ہوگا۔

(۱۳) مَلک فرمانبر شیطان دریغ است
مَلکِ در خدمتِ دربان دریغ است

ترجمہ:۔ فرشتہ شیطان کی تابعداری کرے، تو افسوس کا مقام ہے، بادشاہ کسی دربان کا ملازم رہے۔ تو بہت ہی مضائقہ ہے۔

(۱۴) چرا باید کہ عیسیٰؑ کُور باشد
خطا باشد کہ قارون عُور باشد

(بقیہ:۱۰) روح کی حقیقت و اصلیت اور ازلی مقام کے متعلق غور و فکر کرتا رہے، اور نتیجتہً یہ معلوم کرے، کہ وہ کہاں سے اور کس مقصد کیلئے اس دنیا میں آیا ہے

ترجمہ:- حضرت عیسےٰؑ کو کیوں آنکھوں سے معذور ہونا چاہیئے (جبکہ وہ خود اپنے معجزے سے مادر زاد اندھوں کو چشم بینا بخشتا ہے) اور یہ بھی غلط ہے، کہ (اس قدر دولت کے ہوتے ہوئے) فرعون بھوکا اور ننگا دھڑنگا ہو۔

(۱۵) تو داری اژدہائے بر سرِ گنج
بکشُ آن اژدہا فارغ شو از رنج

ترجمہ:- تیرے (عقلی وروحی) خزانے پر ایک اژدہا قابض ہُوا ہے، تواُس اژدہے کو (بروقت) قتل کر کے ہمیشہ کے لئے خطرے سے بچ جا۔

(۱۶) وگر تو تش دہی بد زہرہ باشی
ز گنج بے کران بے بہرہ باشی

ترجمہ:- (اس کے برعکس) اگر تُو اس کی پرورش کرتا رہا، تو (وہ روز بروز طاقتور ہوتا جائے گا اور) تُو دن بدن مرعوب ہوتا جائے گا (اسی طرح) تُو اپنے لاانتہا خزانے سے محروم ہو جائے گا۔

(۱۷) ترا در خانہ گنج است و تو درویش
ترا مرہم بدستست و تو دلریش

ترجمہ:- تیرے گھر ہی میں (ایک عظیم) خزانہ پڑا ہے اور (تعجب ہے کہ) تو مفلس و قلاّش ہے، تیرے ہاتھ میں مرہم موجود ہے، اور تو اپنے دل میں زخم رکھتا ہے۔

(۱۸) تو در خوابی کجا اُفتی بمنزل
طلسم آرائی واز گنج غافل

ترجمہ:۔ تو (جب خواب غفلت میں) سو رہا ہے، تو کس طرح منزل کو پہنچ سکتا ہے، تو اپنے اور روحانی خزانے کے درمیان طلسم باندھ رہا ہے، اور گنجِ گرانمایہ سے غافل ہے۔

(۱۹) شُبک بشکن طلسم و گنج بردار
بکش رنجی واز خود رنج بردار

ترجمہ:۔ بہت جلد طلسم اور جادو کو توڑ اور خزانے کو اُٹھا لے، ایک دفعہ کی سخت تکلیف برداشت کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے اوپر سے رنج رفع کر دے۔

---

(۱۹) حکمت:۔ جب مومن کو یہ معلوم ہو کہ اس کے دل میں قدرتی علم و عرفان کا ایک لاانتہا ازلی خزانہ پوشیدہ ہے، اور اس کی راہ میں جو کچھ رکاوٹیں پیش آتی ہیں، ان کا سبب نفسانی لذّتوں کے سوا اور کوئی چیز نہیں، تو اسے چاہئے، کہ عزمِ صمیم سے کام لیتے ہوئے نفسانی لذّتوں کو بتدریج ترک کر دے، اور ان کی جگہ روحانی اور عقلانی لذّات کو درجہ بدرجہ اپنائے، روحانی راستے سے طلسم و جادو توڑنے، نفسِ امّارہ کے اژدھے کو قتل کرنے اور ہمیشہ کے لئے تکلیف ختم کرنے کے معنی بس یہی ہیں۔ چاند رات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۴۰

جشنِ نوروز کا ایک اور پہلو

(بخامۂ علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی)

اس سیارۂ زمین کی پیدائش سے لے کر اب تک نوروز کے موقع پر جتنے بھی عجیب وغریب اور انتہائی عظیم واقعات رونما ہوئے ہیں، اتنے واقعات کسی اور موقع پر نہیں ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ علامہ مجلسی کی کتاب "زاد المعاد" کے حوالے سے یہ روایت بیان کی جاتی ہے، کہ حضرت امام جعفر الصادق علیہ السلام نے فرمایا، کہ نوروز وہ مبارک دن ہے، جس میں خداوند عالم نے بندوں کی روحوں سے اقرار لیا، کہ وہ اُس کو خدائے واحد سمجھیں، جیسا کہ قرآنِ پاک کا ارشاد ہے:۔

"اور (وہ وقت یاد کرو) جبکہ تیرے پروردگار نے اولادِ آدم کی پشتوں سے اُن کی اولاد کو لیا اور انہیں ان کی اپنی اپنی ذات پر گواہ قرار دیا (اور ان سے پوچھا) کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں۔ انہوں نے کہا، ہاں ہم گواہی دیتے ہیں (آپ ہمارا پروردگار ہیں) یہ اقرار اس لئے لیا، تاکہ تم

قیامت کے دن یہ نہ کہو کہ یقیناً ہم اس سے بالکل بے خبر تھے"۔ (الاعراف ۷، آیہ ۱۷۲)

مذکورہ روایت کے مطابق نوروز ہی تھا، جس میں حضرت نوحؑ کی کشتی طوفان تھم جانے کے بعد کوہِ جودی پر ٹھہری، حضرت ابراہیمؑ نے اسی روز ملکِ عراق کے شاہی بُتوں کو توڑ ڈالا تھا، حضرت موسیٰؑ نے اپنے زمانے میں اسی دن فرعونِ مصر کے جادوگروں کو شکستِ فاش دے دی تھی، اور آنحضرتؐ نے بھی اِسی نوروز کے موقع پر مولانا علیؑ کو اپنے مُبارک کندھوں پر چڑھا کر خانۂ کعبہ کے تین سو ساٹھ بُتوں کو تُوڑوایا تھا، نوروز کے متعلق اس قسم کی بہت سی روایات مشہور ہیں، لیکن پھر بھی اس یومِ سعید کی ایسی بہت سی حقیقتیں ہو سکتی ہیں، جو اب تک پردۂ راز میں پوشیدہ رہی ہوں۔

اس امرِ واقع میں کوئی شک ہی نہیں، کہ پیغمبرِ خدا اور اس کے حقیقی جانشین کے نور کے بغیر اگر اس دنیا اور اس کے باشندوں کے ماضی و مستقبل کی طرف دیکھا جائے، تو ایک انتہائی تاریک تصوّر کے سوا وہاں کچھ بھی نظر نہیں آئے گا، جیسا کہ قرآن پاک کے اِس ارشاد میں یہی مثال مذکور ہے:۔

"اور ہم نے ان کے سامنے ایک دیوار کر دی اور ان کے پیچھے ایک دیوار کر دی، پھر ہم نے انہیں ڈھانپ لیا، پس وہ دیکھ نہیں سکتے"۔ (یٰسین ۳۶، آیہ ۹) سامنے سے مستقبل اور ابد مراد ہے، اور پیچھے سے ماضی اور ازل مراد ہے، پس ظاہر ہے کہ جو لوگ خدا اور رسولؐ کے حقیقی فرمانبردار

ہیں، ان کے دل و دماغ میں یہ صلاحیت موجود ہے، کہ وہ اگر ازل اور ابد کی حقیقتوں کو دیکھنا چاہیں، تو دیکھ سکتے ہیں، کیونکہ ان کے سامنے اور پیچھے تقلید و جہالت کی کوئی دیوار نہیں، اور وہ پردۂ غفلت میں ڈھانپے نہیں گئے ہیں۔

اب ہم اپنے اصل موضوع کی طرف متوجّہ ہوتے ہیں، جو جشنِ نوروز کے متعلق ہے، چنانچہ اگر ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ لاکھوں یا کروڑوں سال قبل یا اس سے بھی بہت پہلے ایک زمانہ ایسا تھا، جس میں ہمارا یہ سیّارۂ زمین موجود نہیں ہوا تھا، پھر خدا تعالیٰ کی قدرت سے یہ سیّارہ پیدا ہوا، تو لازماً ہمیں یہ بھی ماننا ہی پڑے گا کہ ہماری زمین کا کوئی آغاز و انجام ہے، پس جس روز سیّارۂ زمین پیدا ہوا ہو، وہ اس کا "نوروز" تھا، یعنی اس کرّۂ ارض کی تخلیق و تکمیل کا دن ہی اس کی طویل عمر کا ابتدائی اور نیا دن تھا، کیونکہ نوروز دراصل وہی ہے، جس میں زمین کی تخلیق مکمل ہو کر اس کی مدّتِ عمر کا پہلا دن شروع ہوا، جس میں پہلی دفعہ سورج روئے زمین پر چمکنے لگا، پہلی بار سائے نمودار ہوئے اور وہیں سے دن رات کا آغاز ہوا، وہ اس طرح کہ کرّۂ ارض کے پیدا ہوتے ہی سورج کی جانب کے نصف کرّے پر دھوپ پڑی اور دوسری جانب زمین کا اپنا سایہ پڑا، پس دھوپ کا نام دن اور سائے کا نام رات مقرّر ہوا، اسی طرح بیک وقت دن اور رات کا آغاز ہوا۔

اسی نوروز کے دن زمین اپنے مدار پر مغرب سے مشرق کی طرف

گردش کرنے لگی، اور وہیں سے شمسی اور قمری سال شروع ہُوا، اسی اُصول کے مطابق وہ ابتدائی نوروز اتوار کے دن ہونا چاہیئے کیونکہ دنوں کی گنتی کا آغاز تو اتوار ہی سے صحیح ہے اور انبیاء و اولیاء کی تعلیمات سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اتوار کے دن دنیا پیدا ہوئی ہے، نیز یہ کہ دنوں کے تعیّن اور ترتیب کے متعلق مذاہبِ عالم میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا ہے، اور یہ واقعہ اس بات کی دلیل ہے، کہ شروع سے لے کر اب تک سات دنوں کے سلسلۂ شمار میں کوئی غلطی اور فراموشی واقع نہیں ہوئی ہے، اور شروع ہی سے ہفتے کے دنوں کی صحیح گنتی اور یاد داشت کے لئے یہ ضروری نہیں، کہ جس روز سیّارۂ زمین پیدا ہوا، تو اسی روز انسان بھی زمین پر اُتر آیا ہو، تاکہ یہ کہا جا سکے، کہ تمام باتیں انسانوں کی تواریخی یادداشت کے طور پر یہاں تک پہنچی ہیں، بلکہ اس بارے میں یہ باور کرنا لازمی ہے کہ حقائق کا براہِ راست تعلّق وحی و الہام سے ہے جو انبیاء و اولیاء (آئمّہ) علیہم السّلام کے لئے مخصوص ہے۔

نیز بتا دیا جاتا ہے کہ جس وقت سیّارۂ زمین پیدا ہُوا، تو وہ یہی نوروز کا دن تھا، جس میں سورج اور چاند دونوں بیک وقت بُرجِ حمل کے مقابل ہونے لگے تھے، اور اسی روز سب سے پہلی چاندرات گزری تھی، یہی سبب ہے، کہ دورِ حقیقت کے آغاز ہی سے چاندرات اور آبِ شفا کی اہمیّت و افادیّت کی طرف زیادہ سے زیادہ توجہ دلائی جاتی ہے، کیونکہ قمری اور اسلامی حساب کے مطابق چاندرات وہ تاریخ ہے، جس میں

خداوند عالم نے روحوں سے توحید اور معرفت کا اقرار لیا، اور جس میں اکثر معجزات ظاہر ہوئے، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "اَلشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ (الرحمٰن ۵۵ آیہ ۵) یعنی سورج اور چاند ایک ہی حساب رکھتے ہیں"۔ اس کا مطلب یہ ہوا، کہ شمسی اور قمری سالوں کا حساب ایک ہی نقطہ اور ایک ہی درجہ (DEGREE) سے شروع ہوا ہے، یعنی جس روز سیّارۂ زمین پیدا ہوا، وہ نہ صرف سورج ہی کے حساب سے نوروز (یعنی نیا دن) تھا، بلکہ چاند کے حساب سے بھی نوروز ہی تھا، کیونکہ مذکورۂ بالا آیت کے مطابق سورج اور چاند کا ایک ہی حساب ہونے کے یہی معنی ہیں، کہ اس کرۂ ارض کے شمسی اور قمری دونوں سال اس طرح بیک وقت شروع ہوئے جس طرح گھڑی کی گھنٹے والی سوئی اور منٹ والی سوئی دونوں بارہ کے ہندسے سے بیک وقت چلنے لگتی ہیں، اور ہر بارہ گھنٹے کے اختتام پر یہ دونوں اسی بارہ کے ہندسے پر یکجا ہوتی جاتی ہیں، اس وقت ان دونوں سوئیوں کا جس طرح حساب ایک ہوتا ہے، اسی طرح ان کا نقطۂ روانگی (STARTING POINT) بھی ایک ہوتا ہے۔

اِس مطلب کے بیان پر مزید روشنی ڈالنے کے لئے اس آیۂ کریمہ کی حقیقتوں کو واضح کر دی جاتی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "وَالشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ط ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ (یٰسٓ ۳۶ آیہ ۳۸) اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا

رہتا ہے، یہ اندازہ باندھا ہوا ہے، اُس (خدا) کا جو زبردست علم والا ہے"، سورج کی گردش سے زمین کی گردش مراد ہے، اور سورج خود دراصل اپنے مقام پر ساکن ہی ہے، پس ظاہر ہے کہ زمین ہی اپنے ٹھکانے کی طرف چلتی رہتی ہے، اور اس کا ٹھکانا یہ ہے کہ جب زمین کے تمام باشندے مادّی اور روحانی ترقی کے نتیجے پر نوری اجسام (نورانی پیکر یعنی ASTRAL - BODY) حاصل کئے ہوئے ہوں گے، یعنی جب ان کی حیات و بقا فلکی قسم کے جسموں میں منتقل ہوگی، تو اس وقت یہ زمین اپنے مدار سے ہٹ کر سورج سے دُور اُن بے شمار ستاروں میں شامل ہوگی، جو حاشیۂ عالم کے قریب واقع ہیں، پھر یہ عجب نہیں، کہ وہ سب سے عظیم واقعہ بھی نوروز اور چاندرات ہی کے موقع پر ہو، چنانچہ پیر ناصر خسرو (قدس اللہ سرّہٗ) کی مشہور کتاب وجہِ دین اور زاد المسافرین نیز سیّد سہراب کی کتاب صحیفۃ النّاظرین میں سیارۂ زمین کے اُٹھائے جانے کا ذکر موجود ہے۔

جب یہ معلوم ہوا، کہ نوروز وہ دن ہے، جس میں پروردگار عالم نے روحوں سے اپنی یکتائی کا اقرار لیا ہے، جس میں حضرت نوحؑ اور اس کے تابعین کو آخری نجات ملی ہے، جس میں حضرت ابراہیمؑ نے شاہی بُتوں کو توڑا ہے، جس میں حضرت موسیٰؑ کو جادوگروں پر فتح دی گئی ہے، جس میں آنحضرتؐ پر سب سے پہلی وحی نازل ہوئی، جس میں آنحضرتؐ اور ان کے وصی مولانا علیؑ نے خانۂ خدا کو بُتوں کے وجود کی ناپاکی سے پاک

کر دیا ہے، اور جس میں بمقامِ غدیرِ خُم مولانا علیؑ کی ولایت و امامت کا اعلان ہوا، تو آئیے اس مبارک اور مقدّس عیدِ نَوروز کے موقع پر ہم بھی اقرارِ الست کو تازہ کرتے ہوئے خدا کی معرفت کی طرف توجّہ کریں، اپنے دلوں میں خودبینی اور دنیاپرستی کے جو بُت پائے جاتے ہیں، اُن کو توڑ ڈالیں، نفسانی خواہشات کے جادوؤں پر فتح حاصل کریں، اور کعبۂ دل کو باطل خیالات کے بُتوں سے پاک و صاف کرلیں، نیز یہ دیکھ لیا کریں، کہ امامِ حیّ و حاضر کے مبارک فرمان کے مطابق گزشتہ نَوروز سے لے کر اس نَوروز تک ہم نے کون کون سی قومی اور جماعتی خدمات انجام دی ہیں، اور آئندہ ان سے بھی زیادہ خدمات کس طرح کی جاسکتی ہیں، کیونکہ جشنِ نَوروز عزم و عمل کا پیغام لاتا ہے۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۴۲

درسِ رُوحانیت

کلام مولوی معنوی رومیؒ از کلیات شمس تبریزی
(ترجمہ از علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی)

(الف) نوروز اور موسمِ بہار

قرآن مجید کے ایک ارشاد سے ظاہر ہے، کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے، اس حقیقت کی وضاحت یہ ہے کہ خدا کا نور دائمی طور پر ہر جگہ موجود ہے، اس لئے دراصل یہ نہیں کہا جاسکتا، کہ نور نازل ہوا، آیا، گیا وغیرہ، لیکن خدا کی مرضی کے بغیر نور نہیں دیکھا جاسکتا، جیسا کہ ارشاد ہے: "یَہۡدِی اللّٰہُ لِنُوۡرِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ" (۲۴/۳۵)۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نور کی راہ پر لگا دیتا ہے۔" پس عدلِ خداوندی کا یہ تقاضا ہے، کہ نور سب سے پہلے طلبگاروں کو دکھایا جائے، جو پیغمبرؐ اور امامِ حیّ وحاضرؑ کے ذریعہ و وسیلہ سے ممکن ہے، کیونکہ "جوئندہ یابندہ" کے مصداق جو طالب ہو، وہی مطلوب و مقصود تک پہنچ سکتا ہے، پس وہی لوگ سب سے زیادہ خوش نصیب ہیں، جو مظہرِ نور (یعنی امامِ حیّ و حاضر) کی تابعداری کرتے ہوئے نورانیت کی اعلیٰ ترین منزل تک پہنچنے کی کوشش

کرتے ہیں اور پہنچ جاتے ہیں، چنانچہ مولوی معنوی ذیل کے اشعار میں یہی حقیقت بیان فرماتے ہیں :۔

(۱) بہار آمد بہار آمد بہارِ مشکبار آمد
نگار آمد نگار آمد نگارِ بُردبار آمد

ترجمہ :۔ (اپنی تمام رنگینیوں اور رعنائیوں کے ساتھ) بہار آئی، بہار آئی (باغ و گلشن میں) کستوری اور عطر برسانے والی بہار آئی (فصلِ بہار کے اسی دلکش منظر کے ساتھ ساتھ) معشوق تشریف لائے، معشوق تشریف فرما ہوئے ایک ایسے معشوق تشریف لائے جو شرافت اور حلیمی کا (حسین ترین) پیکر ہیں۔

(۲) کفی آمد کفی آمد کہ دریا دُر ازو یابد
شہی آمد شہی آمد کہ جانِ ہر دیار آمد

ترجمہ :۔ (سخاوت اور بخشش کا) ایک ایسا ہاتھ ظاہر ہوا، ایک ایسا ہاتھ باہر آیا، کہ اسی سے سمندر کو موتی حاصل ہوا کرتے ہیں۔ ایک ایسے بادشاہ تشریف لائے، ایک ایسے بادشاہ تشریف فرما ہوئے، کہ وہی ہر مملکت کی جان ہیں۔

(۳) کجا آمد؟ کجا آمد؟ کز ینجا خود نرفتست او
ولیکن چشم گہ آگاہ و گہ بے اعتبار آمد

ترجمہ :۔ (مگر ذرا سوچو تو سہی) وہ کہاں آئے؟ وہ کیسے آئے؟ کیونکہ وہ تو (ازل ہی سے یہیں موجود ہیں) یہاں سے گئے ہی نہیں، لیکن ہمیں وہ آنکھ ملی ہے، جو کبھی تو ان کو دیکھ سکتی ہے اور کبھی نہیں دیکھ سکتی۔

(۴) ببندم چشم و گویم شُد گشایم گویم او آمد
وا اُو در خواب و بیداری قرین و یارِ غار آمد

ترجمہ:۔ (اس کا مطلب یہ ہے کہ) میں خود (اپنی غفلت سے، آنکھیں بند کر کے کہتا ہوں، کہ وہ تشریف لے گئے، اور (کبھی کچھ ذکر کی طاقت سے) آنکھیں کھول کر کہتا ہوں کہ وہ تشریف لائے، اور (حالانکہ) وہ خود میرے خواب و بیداری میں (ہمیشہ) میرے ہم نشین اور حقیقی رفیق ہیں۔

(ب) انسانی دل کی حقیقت اور عشقِ الٰہی

رُباعی

شمعی است دل مراد افروختنی ... چاکیست ز ہجر دوست بر دوختنی
ای بے خبر از ساختن و سوختنی ... عشق آمدنی بُوَدْ نہ آموختنی

ترجمہ:۔ (پہلی مثال میں) دل ایک موم بتّی کی طرح ہے، جس کا مقصد روشن کر دینا ہے، (دوسری مثال میں) دل ایک ایسا چاک ہے، جسے صرف دوست کی جدائی ہی سے سی لیا جا سکتا ہے۔ اے (وہ شخص) جو (آتشِ عشق میں) جلنے اور صبر کرنے (کی حکمت) سے بے خبر ہے، عشق ایک عطائی چیز ہے، اکتسابی چیز ہے نہیں۔

(ج) انسان کا نزول وعروج

رُباعی

اندر رہِ حق چو چُست و چالاک شوی   نورِ فلکی باز بر افلاک شوی
عرش است نشیمنِ تو شرمت ناید   چون سایہ مُقیمِ خطۂ خاک شوی

ترجمہ:- جب تو خدا (کی فرمانبرداری) کے راستے میں چُست اور ہُشیار ہو جائے، تب ہی تو آسمان پر چڑھ سکے گا، کیونکہ تو آسمان کا نُور ہے۔ تیرا محلِ سکونت عرشِ اعلیٰ ہے، کیا تجھے شرم محسوس نہیں ہوتی! کہ تو سائے کی طرح خطۂ زمین پر پڑے رہتا ہے۔

(د) گنجِ مخفی

رُباعی

در عالمِ گِل گنجِ نہانی مائیم   دارندۂ مُلکِ جاودانی مائیم
چون از ظلماتِ آب و گِل بگذشتیم   ہم خضرؑ و ہم آبِ زندگانی مائیم

ترجمہ:- اس عالمِ خاکی میں (وہ) مخفی خزانہ ہم ہی ہیں (جس کا ذکر حدیثِ "کُنتُ کنزاً" میں ہے) لازوال (روحانی) سلطنت کے مالک ہم ہی ہیں۔ جب ہم جسمِ عُنصری کی ظلمتوں سے گزر چکے، تو خضرؑ بھی (جو آبِ حیات

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science

کا رہنما ہے ، اور آبِ حیات بھی ہم ہی ہیں۔

(ھ) رازِ انا الحق

رُباعی

منصورِ حلاّجی کہ انا الحق می گُفت — خاکِ ہمہ رہ بنوکِ مژگان می رُفت
در قلزمِ نیستیِ خود غوطہ بخُورد — آنگہ پس ازان دُرِّ انا الحق می سُفت

ترجمہ:۔ منصور حلاّجی نے جو انا الحق (میں حق ہوں) کہا، تو اُس نے (اُس سے پیشتر) اپنی پلکوں کی نوک سے (عبادت اور ریاضت) کے سارے راستے کی مٹّی جھاڑ دی اپنی فنائیت و نیستی کے قُلزُم (یعنی سمندر) میں غوطہ لگایا، جس نے اس کے بعد انا الحق کا موتی پرو دیا۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ ؛ ۱۴۳

اِتّحادِ مُسلمیں

علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

مورخہ ۲۸؍ اکتوبر ۱۹۶۹ء کو سرکار مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی شادی مُبارک کے پُرمسرّت موقعہ پر "شاہ کریم الحسینی ہوسٹل"، گلگت میں جناب فضیلت مآب موکی سیّد کرم علی شاہ صاحب نائب صدر ہز رائل ہائینس پرنس آغاخان سپریم کونسل برائے ہونزہ، گلگت، چترال اور وسطی ایشیا کے زیرِ سرکردگی ایک جشن منعقد ہوا، جس کی صدارت گلگت و بلتستان کے ریذیڈنٹ راجہ حبیب الرحمٰن خان صاحب تمغۂ پاکستان نے کی۔ اس موقع پر علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی صاحب نے اتحادِ مسلمین کے موضوع پر جو تقریر کی تھی اس کا اصل مضمون درج ذیل ہے:۔

دینِ اسلام کے مختلف فرقوں کی مجموعی حیثیت ایک ایسے ثمردار درخت کی طرح ہے، جس کی بہت سی شاخیں ہوں، ہرچند کہ درخت کی شاخیں فضا کے مختلف اطراف وجوانب میں ایک دوسرے سے جدا جدا ہوتی ہیں، تاہم وہ تنے کی صورت میں باہم ملی ہوئی ہوتی ہیں، بالکل

اسی طرح اسلام کے تمام فرقے خدائے واحد کے عقیدۂ وحدانیت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت اور اس کے ضمنی عقائد میں ایک دوسرے کے ساتھ متفق اور متحد ہیں، مگر یہ فرقے اشخاصِ امامت وخلافت کے تعیّن کے بارے میں ایک دوسرے سے مختلف اور جدا جدا ہیں۔

اب متذکرۂ بالا بیان سے یہ حقیقت کھُل کر سامنے آئی، کہ دینِ اسلام کی مجموعی حیثیّت کے اندر اگرچہ ایک طرف سے فروعی طور پر اختلاف پایا جاتا ہے، تاہم دوسری طرف سے اصولی طور پر اس کے اندر قوّتِ اتحاد بھی کارفرما ہے، جس طرح ایک عظیم مشین کے اجزاء اپنی اپنی شکل وصورت میں مختلف اور جدا جدا ہوتے ہیں، مگر مشین اپنی مجموعی حیثیت میں ایک ہی ہوتی ہے، اور اس کے ایسے ہونے میں یہ حکمت مضمر ہے، کہ بہت سے ذیلی مقاصد کے حصول کے نتیجے پر ایک مقصدِ اعلیٰ حاصل کیا جاسکے، یہی مثال اسلام کے مختلف فرقوں کی بھی ہے، تاکہ اس فروعی اختلاف کی محرکات کے باعث علم وعمل کے میدان میں تقابلی جذبے سے کام لیتے ہوئے توحید باری تعالیٰ کے عظیم اسرار کے نایاب خزانوں کا انکشاف کیا جاسکے، اور جس کے سلسلے میں اسلامی علم و ادب کے بے پایاں اور گرانمایہ ذخائر ادیانِ عالم کے مقابلے میں پیش کئے جاسکیں۔

اب اس مقام پر پہنچ کر یہ امر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ نظریۂ امامت کی بھی کچھ وضاحت کی جائے، کیونکہ آج کی اس تقریبِ مسعود کا تعلق براہِ راست

اسی نظریئے سے ہے، چنانچہ قبلاً یہ بیان ہو چکا ہے کہ اسلام کے تمام فرقے اشخاص امامت و خلافت کے تعین کے بارے میں ایک دوسرے سے مختلف اور جدا جدا ہیں، اس کا واضح مطلب یہ ہوا، کہ اسلام کا ہر فرقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی نہ کسی صورت میں ایک امام یا خلیفہ کے ہونے کا قائل ہے۔ چنانچہ اسماعیلی فرقہ حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی کو اپنا امام وقت مانتا ہے، اور اس سلسلے میں اس فرقے کا عقیدۂ راسخ یہ ہے، کہ حضرت آدم علیہ السّلام سے بلکہ ازل سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نورِ امامت پوشیدہ طور پر موجود تھا، اور آنحضرت صلعم کے زمانے میں یہ نور حضرت مولانا مرتضیٰ علی علیہ السّلام کے جامۂ بشریت میں ظاہر ہوا، پھر جناب مرتضیٰ سرِّ خدا اور حضرت فاطمۃ الزہرا علیہما السّلام کی آلِ اطہار کے سلسلے میں یہ نور جامہ بجامہ منتقل ہوتا چلا آیا ہے، کیونکہ خدائے واحد اور اس کے رسولِ برحقؑ کی مرضی اسی میں تھی، کہ دنیا اور زمانہ نورِ امامت کی مقدّس ہدایت سے کبھی خالی نہ رہ جائے۔

اسماعیلی فرقے کے اعتقاد کے مطابق زمانے کا امام ہمیشہ دنیا میں حاضر اور موجود ہے، کیونکہ انسانی ہدایت کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السّلام کے زمانے میں اپنے اور مخلوق کے درمیان جو کچھ واسطہ اور وسیلہ مقرّر فرمایا تھا، وہ ہمیشہ کے لئے موجود ہونا چاہئے، چنانچہ حق تعالیٰ نے ابتدا ہی میں فرشتوں سے فرمایا تھا کہ

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

"اِنّی جَاعلٌ فی الارضِ خَلیفۃً"[۲:۳۰] میں روئے زمین پر ایک خلیفہ مقرر کرنے والا ہوں"، پس انسانی ہدایت کی ضرورت و اہمیت اس وقت بھی اُسی طرح ہے، جس طرح حضرت آدمؑ کے زمانے میں تھی، یہی وجہ ہے کہ اسماعیلی اپنے امامِ زمان کو خلیفۂ خدا اور خلیفۂ رسولؐ مانتے ہیں، اور وہ امامِ عالی مقام کے ہر فرمان پر اسی لئے عمل پیرا ہوتے ہیں۔

اسماعیلی فرقے کا کلیدی عقیدہ یہ ہے، کہ خدا کی فرمانبرداری رسولؐ کی ہدایت کے مطابق کی جائے اور رسولؐ کی فرمانبرداری امامِ زمانہ کی ہدایت کے مطابق کی جائے، وہ اپنے اس نظریئے کی تصدیق میں اس آیتِ قرآنی کو پیش کرتے ہیں کہ: یٰایّھا الّذینَ اٰمنوآ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرّسول واولی الامر منکم[۴:۵۹] اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اولوالامر کی اطاعت کرو، جو تم میں سے (یعنی تمہارے درمیان) ہیں، پس اسماعیلی اولوالامر سے اپنے سلسلہ کے تمام آئمۂ طاہرین مراد لیتے ہیں، اور امامِ وقت کو صاحبِ امر مانتے ہیں، چنانچہ حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی اسماعیلی جماعت کے امامِ زمان اور صاحبِ امر ہیں، جن کی عروسیٔ مبارک کا جشنِ سعید آج کے دن اسماعیلی عالم میں اِنتہائی عقیدت و محبت سے منایا جا رہا ہے۔

اسماعیلیوں کے مذکورۂ بالا عقائد کا سب سے آخری نتیجہ یہ نکلا کہ وہ امامِ زمان کو رشد و ہدایت کا ایک ایسا عظیم مرکز مانتے ہیں،

جس کو خدا اور رسولؐ نے اس غرض سے قائم کر دیا ہے، کہ اس کے ذریعے سے اسلامی اخوّت کے باہمی اختلافات ختم کئے جائیں، اور مسلمانانِ عالم کے درمیان صحیح معنوں میں اتفاق و اتحاد قائم رہے۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۵۲

ISW LS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

امامِ برحقؑ کا دیدارِ فیض آثار

(علامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

امامِ حیّ و حاضر کے دیدارِ فیض آثار کی اہمیّت و افادیت اور قدر و منزلت کے بارے میں کچھ حقائق پیش کرنے سے قبل یہ لازمی امر ہے، کہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بطریقِ اختصار یہ ذکر کر دیا جائے، کہ دینِ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے نورانی دیدار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ظاہری دیدار کا کیا تصوّر و عقیدہ ہے، تاکہ مومنین اس واضح بیان سے امامِ زمانہ کے دیدارِ اقدس کی حقیقت و حکمت کو بخوبی سمجھ سکیں۔

دیدار کا تذکرہ

چنانچہ اگر کوئی ذی علم اور صاحبِ بصیرت انسان قرآن حکیم کی معنوی گہرائیوں تک رسا ہو کر غور و فکر کرے، تو یقیناً اُس پر یہ حقیقت منکشف ہوگی، کہ قرآن حکیم کی تمام آیاتِ مُقدّسہ حکمت کے انداز میں نورانی دیدار کے تذکروں سے بھری ہوئی ہیں، اور ان میں کوئی بھی آیت ایسی نظر نہیں آتی، جو اس تذکرہ سے بالکل خالی ہو، چنانچہ ذیل میں قرآنِ شریف کا ایک ایسا کلیہ درج کر دیا جاتا ہے، کہ

جس سے یہ مطلب صاف طور پر ظاہر ہوگا، کہ کائنات، موجودات اور قرآن کا کوئی ایسا جزو نہیں، جو اپنے کسی نہ کسی پہلو سے حق تعالیٰ کے جمال و جلال کی آئینہ داری نہ کرتا ہو، اور وہ کلیّہ یہ ہے :۔

"فَاَيۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡهُ اللّٰهِ ۲/۱۱۵ پس تم جس طرف بھی متوجّہ ہو جاؤ، وہیں خدا کا چہرہ موجود ہے"۔ خدا کے چہرہ سے نورانی دیدار اور معرفت مراد ہے، اور "اَیۡنَ" کا لفظ تمام عرصۂ زمان و مکان اور جملہ حالات کی طرف اشارہ کرتا ہے، پھر اس کے معنی یہ ہوئے، کہ اوّل، آخر، ظاہر اور باطن کے تمام مقامات و حالات میں نورِ الٰہی کی کوئی نہ کوئی جلوہ نمائی موجود ہے، اور اہلِ بصیرت ہر وقت، ہر جگہ اور ہر حالت میں دیدارِ خداوندی کے فیوض و برکات سے مستفیض ہو سکتے ہیں، پس معلوم ہوا، کہ جس طرح عین الیقین کے درجے میں کائنات کی ہر چیز کے باطن میں دیدارِ الٰہی کا جلوہ نظر آتا ہے اسی طرح علم الیقین کے مقام پر قرآنِ حکیم کی ہر آیت، ہر جملہ اور ہر لفظ کی حکمت میں اس پاک دیدار کے متعلق کوئی نہ کوئی تذکرہ پایا جاتا ہے۔

مذکورۂ بالا تاویلی حقیقتوں کے علاوہ قرآنِ پاک میں ایسی بہت سی آیتیں ہیں، جن میں دیدارِ ربّانی کا واضح طور پر بیان آیا ہے، ہم یہاں اُن تمام آیات میں سے صرف چار آیتوں کی وضاحت پر اکتفا کرتے ہیں، کیونکہ وجود و ہستی کے چار حالات کے اعتبار سے دیدارِ الٰہی کے مقامات چار ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے: "ھُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ

والظّاھر والباطن ۵۷/۳ وہی سب سے پہلے ہے اور وہی سب سے پیچھے ہے اور وہی سب سے آشکار ہے اور وہی سب سے مخفی ہے۔"

"ھُوالاوّل" کا اشارہ

پہلی آیت، جو مقام اوّل کے دیدار کے بارے میں ہے، یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابتدا میں ارواح کو مخاطب کرکے فرمایا: "اَلَستُ بِرَبِّکُم ۷/۱۷۲ کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟ قالوا بلیٰ شھدنا ۷/۱۷۲ انہوں نے کہا کیوں نہیں ہم (سب اس واقعہ کے) گواہ بنتے ہیں۔" ظاہر ہے کہ اُس وقت ارواح سے خدا تعالیٰ کی ہستی اور رُبوبیّت کی عینی گواہی لی گئی تھی، اور اُن تمام روحوں کو ربّ العزّت کے نورانی دیدار کا شرف حاصل ہُوا تھا، کیونکہ حکیمِ مطلق کے حقیقی عدل کے لئے یہ ہرگز مناسب نہیں، کہ کچھ لوگوں سے کسی ایسے واقعے کی شہادت پوچھ لی جائے اور ان کو گواہ بنا لیا جائے، جبکہ وہ واقعہ اُن پر تاریک اور چھُپا ہوا ہے، اور وہ لوگ اُس سے بالکل نابلد اور قطعاً ناواقف ہیں، پس یہ حقیقت ثابت ہوئی کہ روحوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی رُبوبیّت کی یہ گواہی دیدار اور جملہ صفاتِ کمالیہ کی روشنی میں تھی۔

"والآخر" کا اشارہ

دوسری آیت، جو مقام آخر کے دیدار کے بارے میں ہے، یہ ہے: "مَن کَانَ یَرجُوا لِقَآءَ اللّٰہِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰہِ لَاٰتٍ ۲۹/۵ جو شخص

خدا کے دیدار کی اُمید رکھتا ہو، تو خدا کے وعدے کا دن ضرور آنے والا ہے۔" اِس ارشادِ ربّانی میں اُس دیدار کا ذکر ہے، جو مستقبل اور آخرت میں مومنین کے لئے میسّر ہونے والا ہے۔

"والظّاہر" کا اشارہ

تیسری آیت، جو مقامِ ظاہر کے دیدار کے باب میں ہے، یہ ہے، جو فرمایا گیا کہ: "اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۲۴/۳۵ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔" اور نور کی تعریف یہ ہے، کہ وہ بذاتِ خود روشن اور ظاہر ہے، اور کائنات کی تمام چیزوں کو بھی منوّر و آشکار کر دیتا ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص آفتابِ عالم تاب کو دیکھنا چاہے تو خود اسی کی روشنی میں دیکھ سکتا ہے، نہ کسی اور چیز کی روشنی میں، اس کا مطلب یہ ہے، کہ حق تعالیٰ کا نورانی دیدار حالتِ ظہور میں بھی ہے، مگر یہ دیدار خود نور ہی کے وسیلے سے حاصل کیا جا سکتا ہے، نہ کسی اور ذریعے سے، جیسا کہ ارشاد ہے: "یَھْدِی اللّٰہُ لِنُوْرِہٖ مَنْ یَّشَآءُ ۲۴/۳۵ اللہ تعالیٰ اپنے نور تک جس کو چاہتا ہے راہ دے دیتا ہے۔"

"والباطن" کا اشارہ

چوتھی آیت، جو مقامِ باطن کے دیدار کے سلسلے میں ہے، یہ ہے، جو حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: "فَاَرْسَلْنَآ اِلَیْھَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَھَا بَشَرًا سَوِیًّا ۱۹/۱۷ پس ہم نے مریمؑ کے پاس اپنی روح یعنی نور بھیجا اور

وہ ایک (ہر طرح سے) صحیح انسان کے رُوپ میں اس کے سامنے ظاہر ہوا"، اس مقام پر یہ بات قابلِ ذکر ہے، کہ اگر روح القدس حضرت مریمؑ کے سامنے انسانی صُورت میں ظاہر ہوئی، تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں، کہ وہ پھر اس وقت روح نہ رہی اور جسم بن گئی، بلکہ اس کی حقیقت یہ ہے، کہ روح القدس مقامِ روحانیت پر روح ہی تھی، ساتھ ہی ساتھ وہ اپنے جسمانی مظہر کے ذریعے ظہور پذیر بھی تھی، پس اس بیان سے یہ ثابت ہوا کہ اس آیت کی حکمت میں دیدارِ ظاہر اور دیدارِ باطن دونوں کی دلیل موجود ہے، چنانچہ یہاں ایک مناسب مثال بیان کردی جاتی ہے کہ سورج اگرچہ ظاہر ہے، تاہم وہ باطن بھی ہے، کیونکہ اس کا اندرونی اور عقبی حصّہ حجابِ نور میں پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ظاہر نہیں، اس کے یہ معنی ہوئے، کہ سورج نے اپنے آپ کو بیک وقت ظاہر بھی کردیا ہے اور چھپا بھی لیا ہے، یہی مثال دیدارِ ظاہر اور اور دیدارِ باطن کی بھی ہے۔

رسولِ اکرمؐ کا دیدار

اب ہم حضرت محمد مصطفٰےؐ رسولِ خدا صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مبارک دیدار کے بارے میں ایک مشہور حدیث اور کچھ فکر انگیز الفاظ درج کرتے ہیں، کہ آنحضرتؐ کا ارشادِ گرامی ہے: "مَنْ رَاٰنِی فَقَدْ رَاَی الْحَق = جس شخص نے میرا دیدار کیا پس اُس نے خدا کا دیدار کیا"۔ اس حدیثِ شریف میں دو باتوں کا خصوصیت کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ

کے پاک دیدار کا حصول حقیقی مومن کے لئے ایک انتہائی ضروری امر ہے، دوسری یہ کہ اُس مقدّس دیدار کے لئے واسطہ اور وسیلہ صرف انسانِ کامل ہی ہے، کیونکہ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے، کہ اس دنیا میں ہمیشہ کے لئے روح القدس یعنی خدا کے نور کا نزول ہوا ہے، تو لازمی طور پر یہ بھی ماننا ہی پڑے گا، کہ انسانِ کامل (یعنی پیغمبرؐ اور امامؑ) کے سوا اور کوئی مخلوق اس مقدّس اور عظیم نور کے لئے نہ تو حامل بن سکتی ہے، اور نہ ہی اس سے دوسروں کو کوئی فائدہ پہنچا سکتی ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی روح یعنی نور حضرت مریمؑ کے پاس بھیجا، تو وہ انسانِ کامل ہی کی صورت میں ظاہر ہوا، اور قانونِ الٰہی کی رُو سے یہی ممکن اور مناسب تھا، کہ جو روح یا نور عالمِ ملکوت سے عالمِ ناسوت میں نازل ہو آئے، تو اُسے سب سے پہلے بشریّت کے بلند ترین درجے میں آنا چاہئے، اور وہ بلند ترین درجہ اور عظیم ترین مرتبہ نبوّت اور امامت کے نام سے ہے۔

قرآنِ پاک میں فرمایا گیا ہے، کہ صاحبِ امرؑ کی اطاعت رسولؐ کی اطاعت ہے، اور رسولؐ کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے، اور ارشاد ہوا ہے کہ اگر رسول اللہ کو کچھ دے کر اُن کی خوشنودی حاصل کرنی ہے تو بس یہی کہ تم رسولؐ کے قرابتداروں سے دوستی و محبت رکھا کرو، نیز ارشاد ہے، کہ خدا کی خاص دوستی حاصل کرنے کے لئے رسولؐ کی فرمانبرداری کی جائے، اس نوع کی آیتوں کی تعلیمات کا نتیجہ یہ نکلتا

ہے، کہ جس طرح پیغمبرؐ اور امامِ زمانؑ کی فرمانبرداری خدا کی فرمانبرداری ہے، ان حضرات کی محبت خدا کی محبت ہے اور ان کی خوشنودی خدا کی خوشنودی ہے، بالکل اسی طرح ان کا دیدار بھی خدا کا دیدار ہے۔

امامِ زمانؑ کا دیدار

سیدنا قاضی نعمان کی ایک مشہور تصنیف "کتاب الھمۃ فی آدابِ اتباع الائمۃ" کے صفحہ ۶۴ پر اس حدیثِ مرفوع کا ذکر کیا گیا ہے: "اِنَّ النَّظرَ الی الامامِ عِبادۃٌ، والنَّظرَ اِلی المصحف عبادۃٌ" = تحقیق امام کی طرف دیکھنا ایک قسم کی عبادت ہے، اور قرآن کی طرف دیکھنا بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔" قاضی نعمان صاحب پھر اپنے الفاظ میں فرماتے ہیں کہ بھول اور غفلت کی نگاہ سے امام کی طرف دیکھنے میں کوئی عبادت نہیں، بلکہ غور و فکر کی نظر سے دیکھنے میں عبادت ہے، جس طرح سوچے سمجھے بغیر قرآن کی طرف دیکھنے والے کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا، جیسے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ۴۷/۲۴ پس کیا وہ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر قفل ہیں۔"

پس اس بیان سے جو امامؑ اور قرآن کی طرف دیکھنے اور غور و فکر کرنے کے بارے میں ہے، یہ ظاہر ہوا کہ امامِ حیّ و حاضرؑ کے مبارک اور پُرحکمت دیدار کے فیوض و برکات حاصل کرنے میں تمام مومنین و مومنات ایک جیسے نہیں، بلکہ وہ سب اپنی اپنی عقیدت، محبت، معرفت اور فرمانبرداری کے لحاظ سے مختلف درجات پر ہیں، کیونکہ جس طرح قرآن فہمی کے اعتبار سے

لوگوں کے بے شمار درجے ہوتے ہیں، اسی طرح امام شناسی کے لحاظ سے بھی ان کے لاتعداد مراتب ہیں۔

اخیر میں جو کچھ مناسب اور موزون بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے، کہ امامِ زمانؑ کی تشریف آوری اور دیدارِ اقدس کی رحمتوں اور برکتوں سے دینی اور دنیاوی طور پر صرف وہی حقیقی مرید پورا پورا فائدہ اُٹھا سکتے ہیں، جو اس مبارک موقع پر اپنے تمام اعمال کا باریک بینی سے احتساب کریں، اپنی ناپسندیدہ عادتوں اور نافرمانیوں سے دست بردار ہو جائیں، اور اپنے دل میں امام زمانؑ سے یہ وعدہ کریں، کہ وہ آئندہ کسی بھی قسم کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں گے، عبادت میں کوئی کوتاہی نہ کریں گے اور امام کے کسی بھی مرید کی دل آزاری نہ کریں گے، پس صرف اسی صورت میں اہلِ ایمان کو امامِ عالیمقامؑ کے پاک دیدار کا لازوال ثمرہ حاصل ہو سکتا ہے، اور اپنے مریدوں کے پاس امام زمانؑ کے تشریف لانے اور ان کو دیدار کرانے کا اصل مقصد بھی یہی ہوتا ہے۔

تحریر: ۱۵ر جنوری ۱۹۷۰ء پاکستان میں امام زمانؑ کی تشریف آوری کے موقع پر۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۵۳

ذکرِ الٰہی میں شفا

بقلمِ علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائیؒ

ذکرِ الٰہی نتیجتہً صحت و سلامتی کا ذریعہ، اطمینانِ قلب کا باعث اور علم و حکمت کی کلید ہونے کے علاوہ لفظی طور پر بھی خدا شناسی و معرفت کی ایک روشن دلیل ہے۔

لفظِ ذکر کے اشارے

لفظِ "ذکر" کے معنی میں خدا کی شناخت اور پہچان کے اشارات اس طرح سے ہیں، کہ ذکر کے معنی ہیں کسی جانی پہچانی ہوئی چیز کے تصوّر کو الفاظ و معانی کے ذریعے دل و دماغ میں لانا مگر کسی چیز کو دیکھے، جانے اور پہچانے بغیر یاد کرنا محال ہے، اب اس بیان سے صاف طور پر یہ نتیجہ نکلا، کہ خدا کی حقیقی یاد وہ ہے، جو معرفت (یعنی پہچان) کی روشنی میں کی جاتی ہے۔

ذکرِ الٰہی کی مثال

حقیقی ذکر کی ایک خاص شرط خدا شناسی اور معرفت ہونے کی دلیل یہ ہے، جو خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: فاذکروا اللّٰہ کذکرکم اٰبآءکم او اشدّ ذکرًا ۲/۲۰۰ یس تم اللہ

تعالیٰ کو اس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے آبا کو یاد کرتے ہو، یا اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔ اِس ارشادِ الٰہی کا مطلب یہ ہے کہ لوگ اپنے آبا کو دیکھے، پہچانے اور مانوس ہوئے بغیر اس کثرت و شدّت سے یاد نہیں کر سکتے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنے ذکر کی مثال اور نمونہ قرار دے، اور اگر وہ چار و ناچار اپنے آبا کو یاد کرنے میں کوئی معیاری نمونہ پیش کرتے ہیں، تو اس کی وجہ پہچان، مانوسیّت اور محبّت ہے، چنانچہ اس مثال سے یہ امر لازمی ہُوا کہ خدا کو معرفت اور عشق سے یاد کیا جائے۔

ذکرِ الٰہی کی اِس مثال میں ان تمام حقائق کے اشارے سموئے ہوئے موجود ہیں، کہ ایک صاف دل اور خیر خواہ باپ اپنے چھوٹے سے بچّے کو کس قدر عزیز رکھتا ہے، اس کے حق میں کتنا شفیق و مہربان ہوتا ہے اور کس طرح اس کی بہتری و کامیابی کا طلبگار رہتا ہے، اور اس کا وہ چھوٹا سا معصوم اور سادہ لوح بچّہ جب اپنے پیارے باپ سے دور رہنے لگتا ہے، تو کس قدر بے تاب و مضطرب ہو کر اور کیسے اشتیاق کے عالم میں باپ کو یاد کرتا رہتا ہے، ہر چند کہ اس کی ماں، بہنیں اور گھر کے دوسرے عزیز افراد اُسے بہلا پھسلا کر باپ کی یاد سے باز رکھنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، مگر یہ اپنے باپ کو اور اس کی شفقتوں اور نوازشوں کو ہرگز فراموش نہیں کر سکتا، اور جب کوئی شخص بھول سے اس کے باپ کا کوئی تذکرہ کرتا ہے، تو اس کے نازک اور پاکیزہ دل میں باپ کی محبّت کی آگ شعلہ زن ہونے لگتی ہے، اور وہ بہانہ جوئی کرتے ہوئے رونے لگتا ہے، محبّت اس کے اشتہا کو اپنے قبضے میں کر لیتی ہے، اس

لئے وہ کچھ کھا پی نہیں سکتا، جب بہت سی کوشش کے بعد اس کو سلا دیا جاتا ہے، تو وقفہ وقفہ پر جھٹکوں کے ساتھ چونک اٹھتا ہے، کیونکہ ہر بار وہ خواب و خیال میں اپنے باپ ہی کو دیکھتا ہے، اور اس کے ساتھ چمٹ جانے کی کوشش میں ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے جاگ اٹھتا ہے، یہاں تک کہ بعض دفعہ شدّتِ یاد کے بخار سے اس کا جسم تپتا رہتا ہے۔

خدا کی یاد اور باپ کی یاد میں فرق

جیسا کہ بیان ہو چکا، کہ معصوم اور سادہ لوح بچّہ مانوسیت کے بعد جب باپ سے جدا اور دُور رہنے لگتا ہے، تو وہ بعض دفعہ شدّتِ اشتیاق کی بیماری میں بھی مبتلا ہو جاتا ہے، لیکن ذکرِ الٰہی کے بارے میں عقل و دانش یہ کہتی ہے، کہ اگرچہ خدا کی یاد کی مثال باپ کی یاد سے دی جا سکتی ہے، تاہم انسانی یاد کے آثار و نتائج کے برعکس ذکرِ الٰہی سے حقیقی مومنین کے لئے جسم و جان کی صحت و سلامتی اور سکون و اطمینان حاصل ہونا چاہئے، اور قرآنی ارشادات کا اشارہ بھی یہی ہے، چنانچہ قولِ قرآن ہے کہ: اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ
$\frac{13}{28}$ خوب سمجھ لو کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہو جاتا ہے۔ پس مطلب صاف طور پر ظاہر ہے، کہ کسی انسان کے دل کو اطمینان اس وقت ہو جاتا ہے، جبکہ وہ ذہنی اور جسمانی تکلیفوں اور بیماریوں سے بالکل محفوظ ہو، یا پھر اس کو برداشت کی معجزانہ قوّت ملے، اس کے بغیر اطمینانِ قلب کے کچھ معنی نہیں۔

ذکر کا تعلق پاک دل اور پاک زبان سے

جب تک انسان اپنی زبان اور دل کو ناشائستہ اقوال و افعال کے زنگ و کدورت سے پاک نہ رکھے، تو وہ مذکورہ بالا مثال کے مطابق خدا کو یاد نہیں کر سکتا، اور جب حقیقی معنوں میں خدا کو یاد نہیں کر سکتا، تو ذکرِ الٰہی کے ظاہری و باطنی فوائد سے محروم رہ جاتا ہے اور اس محرومیّت میں ہر قسم کی ناکامی پوشیدہ ہے۔

ذکر میں شفا ہونے کی دلیل

اگر پوچھا جائے کہ یادِ الٰہی کس طرح باعثِ شفا ہو سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے، کہ اکثر دفعہ انسان اپنی غلط کاریوں کی وجہ سے کسی بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے، غلط کاری نفسِ امّارہ کے حکمران ہونے سے صادر ہوتی ہے، نفسِ امّارہ کی حکمرانی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ عقل اور روح الایمان کمزور نہ ہوں، یہ دونوں کمزور اس وقت ہوتی ہیں، جبکہ ان کو اصلی و پُرقوّت غذا نہ ملے، اور ایسی غذا کا واحد ذریعہ ذکرِ الٰہی ہے، جس میں عقل اور روح الایمان کے لئے سب کچھ موجود ہے، پس معلوم ہوا، کہ جب اللہ کے بندوں کو ذکر سے عقل و روح کی لذّتیں اور راحتیں میّسر ہونے لگتی ہیں، تو اس وقت ان کی نفسانی خواہشات روحانی قوتوں کے نیچے دبی ہوئی رہتی ہیں، پھر اس وقت ایسی تکالیف نہیں آتیں، جو غلط کاریوں کی پاداش کے طور پر پہنچتی ہیں۔

ذکر میں جسمانی مدد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: یاایھا الذین امنوآ اذا لقیتم فئۃً فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرًا لعلکم تفلحون ۸/۴۵ اے ایمان والو، جب تم جہاد میں، کسی گروہ کے مقابل ہوتے ہو، تو ثابت قدم رہو، اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ پس ظاہر ہے، کہ ذکرِ الٰہی سے نہ صرف عقل و روح ہی کو نورانی قوت ملتی ہے، بلکہ اس سے جسم کو بھی معجزانہ قسم کی مدد ملتی رہتی ہے۔

مادّی خوف

ذکرِ الٰہی اور خوفِ خدا کی ایک اور مثال یہ ہے، کہ جب انسان پر یکایک ظاہری قسم کا کوئی خوف طاری ہوجاتا ہے، تو اُس وقت اس کے دل کے مرکز سے عجیب قسم کی ہیجانی لہر اس کے تمام جسم میں پھیل جاتی ہے، نہ معلوم کہ کچھ لوگوں کے علم میں یہ بات کس طرح آگئی، کہ خوف کی ایسی کیفیت کے دَوران روحِ حیوانی کے ذرّات خون کی نالیوں وغیرہ میں دوڑنے لگتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے بعض بیماریوں کا نفسیاتی علاج خوف کے اصول سے شروع کر دیا، مثلاً بخار کے مریض کے پاس، جبکہ اسے خبر نہ ہو، بندوق چلائی، اور یہ طریقہ بعض دفعہ باعثِ شفا ثابت ہُوا، کہ خوف کے ایک ہی جھٹکے کے ساتھ اس کی بیماری کے سارے جراثیم نکل گئے، اور وہ صحتیاب ہوگیا، اس کا سبب شاید یہی ہو، کہ روحِ حیوانی کا کچھ حصّہ

مدافعہ کے لئے یا گریز کی صورت میں جسم سے خارج ہوجاتا ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ بیماری کے اکثر جراثیم بھی نکل جاتے ہیں۔

روحانی خوف مثالِ مذکورۂ بالا ظاہری اور مادّی خوف کی تھی، اب اُس عجیب وغریب اور معجزانہ خوف کا حال سُنئے، جو کثرتِ ذکر کے بعد حق پرست بندوں پر طاری ہوجاتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ:۔

اللہ نزل احسن الحدیث کتٰباً متشابہا مثانی تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربہم ثم تلین جلودھم وقلوبھم الی ذکر اللہ (۳۹/۲۳) اللہ تعالیٰ نے بڑا عمدہ کلام نازل فرمایا ہے، جو ایسی کتاب ہے کہ باہم ملتی جُلتی ہے، بار بار دہرائی گئی ہے، جس سے ان لوگوں کے، جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اُٹھتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجّہ ہوجاتے ہیں۔

آیۂ مذکورۂ بالا اگرچہ ظاہراً قرآنِ پاک کی تعریف میں ہے، تاہم اس میں حکمت کا پہلو بھی بجائے خود نمایاں ہے، وہ یہ ہے، کہ ہر مومن کے لئے عبادت وبندگی کے وہ الفاظ، وظائف، اوراد اور اسماء "احسن الحدیث"، کی حیثیت سے ہیں، جو امامِ زمان علیہ السلام مقرر فرماتے ہیں، اور یہی خاص عبادت وذکر وہ عظیم معجزہ ہے، جو کسی طرح کے

معنوں سے دہرائی جانے والی کتاب کی صورت اختیار کرتا ہے، اور اسی سے مومنین کے بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں، پس اس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ جس طرح انسان کا دل ذکرِ الٰہی کے فیضان کو قبول کر سکتا ہے، اسی طرح اس کا جسم بھی یادِ الٰہی کے فیوض و برکات سے بہرہ ور ہو سکتا ہے، چنانچہ باور کیا جا سکتا ہے، کہ اس قسم کے ذکر کے معجزے سے انسانی جسم کے خلیات و ذرات کی تجدید ہو جاتی ہے، جس سے بہت سی روحانی و جسمانی بیماریوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

علاج و معالجہ کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کا مجموعی اصول یہ ہوتا ہے، کہ کسی تدبیر سے جراثیم کو مریض کے اندر ہی ہلاک و تباہ کر دیا جائے یا ان کو بدر کر دیا جائے، اب اگر جراثیم میں زندگی پائی جاتی ہے، اور ان میں ایک قسم کی روح موجود ہے، تو اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرثومہ روح اور جسم دونوں میں مشترک ہے، یعنی روحانی اور جسمانی دونوں طریقوں سے اس پر تصرف کیا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ پروردگارِ عالم کا قول ہے کہ:۔

مَا مِن دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌ بِنَاصِيَتِهَا اِنَّ رَبِّي عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۱۱/۵۶ زمین پر چلنے والا کوئی بھی ایسا نہیں مگر یہ کہ وہ (خدا) اس کی پیشانی کے بال پکڑنے والا ہے، یقیناً میرا پروردگار سیدھی راہ پر ہے، پس اس آیت کی حکمت کے بموجب یہ ضروری نہیں، کہ ہر جاندار مخلوق کی پیشانی کے بال ہوں، مگر یہ ضرور ہے، کہ ہر ذی روح مخلوق میں اپنی نوعیت کا احساس ہے، اور قادرِ مطلق ہر جانور کے اسی احساس کو پکڑ کر راہِ راست کی

طرف کھینچ سکتا ہے، اس کا مطلب یہ ہُوا، کہ ہر قسم کا جرثومہ بھی اپنی نوعیت کا احساس رکھتا ہے۔ پس اگر خدا چاہے تو اس کے احساس پر تصرف کر سکتا ہے، اور اس میں خوف و گریز کی خواہش ڈال سکتا ہے۔

ذکر میں قُوّتِ برداشت

ذکرِ الٰہی کے اس قدر شفا بخش اور معجز نما ہونے کے باوجود بھی اگر کوئی مومن خدا کی مصلحت و حکمت سے بیمار رہتا ہو، تو پھر بھی خدا کی یاد سے مایوسی کی کوئی علامت ظاہر نہیں ہو سکتی، کیونکہ ایسے موقع پر عبادت اور ذکر مومن کو صبر و تحمّل اور تسلیم و رضا کی ایسی بے مثال طاقت بخشتا ہے، کہ جس سے وہ اپنی بیماری کی تکلیف کو محسوس ہی نہیں کرتا، جیسا کہ انبیاء، اولیاء اور حقیقی مومنین کے تذکروں سے یہ مثال ظاہر ہے۔

ذکر کا سب سے بڑا مقصد

حقیقی مومن اپنے پروردگار کو صرف اسی لئے یاد نہیں کرتا، کہ اس کے جسم و جان کی صحت و سلامتی قائم رہے اور بس، بلکہ اس کا سب سے بڑا مقصد خدا کی خوشنودی حاصل کرنا ہے، جس میں مومن کے لئے سعادتِ دارین کے راز سربستہ ہیں تاہم یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ خدا کی خوشنودی کے طلب گار رہنے سے روحانی و جسمانی فیوض و برکات کے حاصل ہونے میں بسا اوقات کوئی کمی واقع نہیں ہوتی، تاکہ مومن شکر گزاری کے طریق پر بھی خدا کو زیادہ سے زیادہ یاد کرتا رہے۔

دل کا آسمان

مِنکلام مولوی معنوی رومی رحمۃ اللہ علیہ

از کلیاتِ شمس تبریزی قدس

(ترجمہ از علامہ نصیرُ الدّین نصیرؔ ہونزائی)

(۱) نقش بندِ جان کہ جانہا جانبِ او مائل است
عاقلان را بر زبان و عاشقان را در دل است

ترجمہ:۔ نقاشِ جان یعنی روح کا خالق و مالک، جس کی طرف جانیں راغب اور متوجّہ ہیں، دانشمندوں کی زبان پر اور عاشقوں کے دل میں موجود ہے۔

(۲) آنکہ باشد ہر زبانہا لَا اُحِبُّ الْآفِلِیْن
بَاقِیَاتُ الصَّالِحَات است آنکہ در دل حاصل است

ترجمہ:۔ جو زبانوں پر ظہور رکھتا ہے (اس کے بارے میں یہ ہے کہ) میں غروب اور غائب ہو جانے والوں سے دوستی نہیں رکھتا۔ اور جو دل میں ظہور رکھتا ہے، وہی ہمیشہ باقی رہنے والی نیکیوں کی حقیقت ہے۔

(۳) دل مثالِ آسمان آمد زبان ہمچون زمین
از زمین تا آسمانہا منزلِ بس مشکل است

ترجمہ:۔ دل آسمان کی طرح ہے اور زبان زمین کی طرح ہے، اور زمین سے لے کر آسمان تک (اتنی مسافت اور بلندی طے کر کے پہنچ جانا) ایک انتہائی مشکل منزل ہے (یعنی زبانی الفاظ سے شروع کر کے دل کی حقیقت تک پہنچ جانا ایسا ہی مشکل کام ہے، جیسے زمین سے آسمان میں پہنچ جانا)۔

(۴) دل مثالِ ابر آمد سینہا چون بامہا
وین زبان چون ناودان باران ازینجا نازل است

ترجمہ:۔ دل (علم و حکمت کے پانی کے لئے) بادل کی مثال ہے، اور سینے چھتوں کی طرح ہیں، اور یہ زبان پرنالہ کی طرح ہے، اور یہیں سے (یعنی زبان کے پرنالے سے) علمی بارش کا پانی گرتا ہے۔

مطلب:۔ دل آسمان اور بادل ہونے کی تاویل یہ ہے کہ دل کی

اصلیت وحقیقت ہی روحانیت کی بلندی اور آسمان ہے، اور یہیں سے روحانی علم ودانش کی بارش برستی ہے، جیسے وحی والہام کہئے یا علمِ لدّنی یا ہدایتِ خاص وغیرہ، علم حقیقت کے الفاظ زبان پہ آنے سے پہلے سینے میں جمع ہو جاتے ہیں جس طرح بارش کے قطرات یا تو پہاڑ پہ جمع ہو کر پانی کی صورت اختیار کر لیتے ہیں یا چھت پر، پھر یہ علم زبان کے ذریعہ ظاہر ہونے لگتا ہے، جس طرح پہاڑ کا پانی نہر سے آتا ہے اور چھت کا پانی پرنالے سے گرتا ہے۔

۵۔ آب از دل پاک آمد تا ببامِ سینہا
سینہ چون آلودہ باشد این سخنہا باطل است

ترجمہ:۔ علم کا یہ پانی دل کی بلندی سے لے کر سینوں کی چھتوں تک تو پاک اور صاف ہی آیا، مگر جب سینہ (دنیاوی آلائشوں سے) آلودہ ہوا، تو (علم کا یہ پانی بھی پینے اور نہانے کے قابل نہ رہا، پس) ایسے علم کی باتیں باطل ہیں۔

۶۔ این خود آنکس را بُوَد کز ابر او باران چکد
بام کُو از بر گیرد نا و دانش قائل است

ترجمہ:۔ یہ مثال صرف اس شخص کی ہے، جس کے بادل بارش برسا دیتے ہیں، اور چھت بادلوں سے پانی حاصل کرتی ہے، اس کا حال پرنالہ خود ہی بتا دیتا ہے۔

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۵۶

نعتِ نبیؐ اکرم صلعم

(از علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی)

(۱) کلامِ خدا دان کلامِ محمدؐ
سخن گفتہ یزدان زکامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ حضرت محمدؐ کے کلام نے خدا تعالیٰ کے کلام کو سمجھا دیا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ نے حضرت محمدؐ کی زبانِ مبارک سے خطاب فرمایا ہے۔

(۲) کتابِ خدا معجزِ بے مثالے
گواہِ کمالِ کلامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب (یعنی قرآن جو) ایک بے نظیر معجزہ ہے، حضرت محمدؐ کے کلام کی کمالیت کی گواہ ہے۔

(۳) خداوندِ برتر نوازش نمود
بتکریم لَوْلَاکَ بکامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کے حصولِ مقصد کے لئے لَوْلَاکَ

(لَمَا خَلَقْتُ الْاَفلاک) کی تعظیم و تکریم سے نوازش فرمائی۔

(۴) خدایش فشانید بر عرشِ عزّت
مقامیست محمود مقامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو (بموقعِ معراج) تختِ عزّت یعنی عرشِ اعظم پر بٹھایا (پس) محمدؐ کا مقام وہ مقام ہے، جس کی تعریف کی گئی ہے۔

(۵) گہرہائے حق اوصیا و رُسُل
خدا سُفتہ اندر نظامِ محمّد

ترجمہ:۔ حق تبارک و تعالیٰ نے حضرات انبیاء و آئمہ علیہم السّلام کے موتیوں کو حضرت محمّد صلعم کی لڑی (سلسلہ) میں پرودئے ہیں۔

(۶) برون از حساب و فزون از شمار
درودِ الٰہی بنامِ محمّدؐ

ترجمہ:۔ حضرت محمّد صلعم کے اسمِ گرامی پر اللہ تعالیٰ کی بے حساب اور لاتعداد رحمت نازل ہو۔

(۷) درآمد بدینِ خدا عالمے
باحکامِ شرعِ و حُسامِ محمّدؐ

ترجمہ:۔ حضرت محمّدؐ کے احکامِ شرعی اور تیز تلوار سے (جو حضرت علیؑ کے ہاتھ میں تھی) دینِ خدا میں ایک پوری دُنیا داخل ہوگئی۔

(۸) کشد بوئے رحمٰن زسوی یمن
غذائی جلالی مشامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ حضرت محمدؐ کا مشام (یعنی سونگھنے کی قوت) یمن کی جانب سے جلالی غذا کے طور پر رحمٰن کی خوشبوئیں سونگھ لیا کرتا ہے۔

(۹) کسے راکہ بختش کند یار مندی
فتد از عقیدت بگامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ جس شخص کو اپنا بخت مدد کرتا ہے، وہ خلوص و عقیدت سے حضرت محمدؐ کے مبارک قدموں پر جا گرتا ہے۔

(۱۰) نبیؐ و علیؑ ہست مولای حاضر
بُوَد در دو عالم دوامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ مولای حاضر حضرت نبیؐ اور حضرت علیؑ (کا نور) ہیں، کیونکہ دونوں عالم میں حضرت محمدؐ کی دائمیت برقرار ہے۔

(۱۱) پیامِ محمدؐ پیامِ امامت
پیامِ امامت پیامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ حضرت محمدؐ کا پیغام نورِ امامت کا پیغام ہے، نورِ امامت کا پیغام حضرت محمدؐ کا پیغام ہے۔

(۱۲) کنون شہ کریم آلِ پاکِ نبی دان
بر و میکنم احترامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ موجودہ وقت میں مولانا شاہ کریمؑ (حاضر امام) کو حضرت نبیؐ کی پاک آل سمجھ لیے ہیں تو انہیں کے واسطہ سے حضرت محمدؐ کا احترام بجالاتا ہوں۔

(۱۳) شدہ کشفِ اسرارِ حق بر دلم
چو شد جانِ من مستِ جامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ جب سے میری جان (روح) حضرت محمدؐ صلعم کے (عشق کے) پیالے سے مست و مخمور ہوئی، تو میرے دل پر حق تعالیٰ کے اسرار منکشف ہوئے ہیں۔

(۱۴) فدای امامی کہ از آلِ اوست
تن و جانِ زارِ غلامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ حضرت محمدؐ کے اس غلام کا جسم و جان اُس امام پر فدا ہو، جو آنحضرتؐ کی آل سے ہیں۔

(۱۵) چہ خوش خواند نورش بگوشِ نصیرؔ
کلامِ خدا ہم کلامِ محمدؐ

ترجمہ:۔ (سبحان اللہ!) اُس (امام زمانؑ) کے نور نے نصیرؔ کے کان میں خدا کے کلام (یعنی حکمتِ قرآن) کو نیز محمدؐ کے کلام (یعنی حکمتِ حدیث) کو کس خوش اسلوبی سے پڑھا!

چاند رات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۵۷

سردارِ رُسُلؐ کے وزیر

(از قلم علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

وزیر کے لُغوی معنی ہیں بوجھ اُٹھانے والا، اور اصطلاح میں وزیر اُس شخص کو کہتے ہیں، جو کسی بادشاہِ مطلق العنان یا صدرِ جمہور کے امورِ مملکت اور نظامِ حکومت کی ذمّہ داریوں کے بارِ گران کا متحمّل ہوتا ہے، یہی مثال اور مفہوم خلافتِ الٰہیّہ یعنی دینی حکومت کا بھی ہے، کہ اس میں ہر دور کا پیغمبر دینی بادشاہ اور اس کا وصی (یعنی وہ امام جس کو پیغمبر وصیّت کرے) دینی وزیر ہوا کرتا ہے۔

چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام جب پہلی بار کوہِ طور پر اللہ تبارک تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے، تو حق تعالیٰ نے ان کو پیغمبری کے درجے پر مامور فرمایا، اور موسیٰ علیہ السّلام نے اس موقع پر پروردگارِ عالم سے جو کچھ عرض والتجا کی، اس میں یہ بھی ہے کہ:۔ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ وَاَشْرِكْهُ فِیْ اَمْرِیْ (۲۰/۲۹-۳۲) ترجمہ:۔ اور میرے لئے میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے (یعنی) میرا بھائی ہارونؑ

اس کے ذریعے سے میری کمر مضبوط کردے، اور اسے میرے کام میں میرا شریک کر دے۔

اسماعیلی اور اثنا عشری کتابوں کے علاوہ سُنّی مکتبۂ فکر کے مآخذ (SOURCE BOOKS) میں بھی یہ روایت مذکور ہے، کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سلسلۂ قصہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مذکورۂ بالا آیت نازل ہوئی، تو آنحضرت نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی کہ: اے بارِ خدا! میں بھی اسی طرح التجا کرتا ہوں جس طرح موسیٰؑ نے التجا کی تھی کہ: وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ عَلِيًّا اَخِي اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ وَاَشْرِكْهُ فِيْۤ اَمْرِيْ ۲۰/۲۹-۳۲ اور میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا دے (یعنی) میرا بھائی علیؑ، اور اس کے ذریعے سے میری کمر مضبوط کر دے، اور اسے میرے کام میں شریک کر دے۔

حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام سے یہ روایت منقول ہے، آپ فرماتے ہیں، کہ جب آیتِ کریمہ: "وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۲۶/۲۱۴ اور آپ اپنے نزدیک ترین کنبہ والوں کو ڈرائیے"؛ نازل ہوئی، تو آنحضرت صلعم نے ایک پیالہ دودھ اور بکری کی ایک ران دسترخوان پر رکھ کر خاندانِ بنی عبدالمطلب کو مدعو کیا، جو چالیس مردوں پر مشتمل تھا، مگر دس نوجوان تو ایسے تھے، کہ ان میں سے ہر فرد ایک بکری اکیلا ہی کھا سکتا تھا، اور ایک مشک دودھ پی سکتا تھا، پھر بھی ان لوگوں نے پیٹ بھر کر کھایا پیا اس روز ابو لہب بھی ان کے ساتھ تھا۔

جب خورد و نوش سے فارغ ہو چکے تو رسولِ اکرم صلعم نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ، اے بنی عبدالمطلب! میری اطاعت کرو، تو تم سب زمین کے بادشاہ اور حکمران بن جاؤ گے، اور میں تم سے پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں، کہ اب تک پروردگارِ عالم نے دنیا میں جتنے پیغمبر بھیجے ہیں، ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک وصی، وزیر، بھائی، وارث اور ولی مقرّر فرمایا تھا، تو آج تم میں سے کون ایسا جوان مرد ہے، جو میرا وصی، میرا وارث، میرا ولی، میرا بھائی اور میرا وزیر بنے گا؟ اتنا سُننا تھا کہ سب پر خاموشی طاری ہوئی، مگر آنحضرت صلعم نے اتمامِ حجّت کے طور پر ان میں سے ایک ایک کے سامنے فرداً فرداً یہ دعوت پیش کی، لیکن کسی نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا، بجز آنکہ میں باقی رہ گیا تھا، اس وقت میں سب سے کمسن تھا، مگر جب رسول اللہ صلعم نے میرے سامنے اپنی یہ دعوت پیش کی، تو میں نے مؤدبانہ عرض کیا کہ اے پیغمبرِ خدا صلعم میں آپ کا وصی، وزیر، بھائی، وارث اور ولی بنوں گا، آپ نے فرمایا کہ، ہاں! اے علیؑ تم ہی میرے وصی، میرے وزیر، میرے وارث، میرے بھائی اور میرے ولی ہو۔

جب بنی عبدالمطلب مجلس سے باہر نکلے، تو ابولہب نے ان سے کہا، کہ تم نے آج جو کچھ دیکھا ہے، کیا اس سے تم کو اپنے صاحب محمدؐ کی جادو گری کا ثبوت نہیں ملتا، کہ اس نے تمہارے سامنے دسترخوان پر بکری کی ران رکھی اور دودھ کا ایک پیالہ جس سے تم لوگ خوب سیر شکم ہو گئے، پھر کیا تھا، وہ سب کے سب ابولہب کی اس بات کو سُن کر ٹھٹھا کرنے لگے، اور

حضرت ابوطالب سے کہنے لگے کہ تمہارا بیٹا تم پر مقدم ہوگیا۔ (از دعائم الاسلام حصّہ اوّل ص ۳۱-۳۲)۔

مذکورۂ بالا حدیث مظہر ہے، کہ پروردگار عالم نے دنیا میں جتنے پیغمبر بھیجے ہیں ان میں سے ہر ایک کے لئے ایک وزیر مقرر فرمایا تھا، چنانچہ حضرت آدمؑ کے وزیر مولانا امام شیث علیہ السّلام تھے، حضرت نوحؑ کے وزیر مولانا حضرت سام علیہ السّلام تھے، حضرت ابراہیمؑ کے وزیر مولانا امام اسماعیل علیہ السّلام تھے، حضرت موسیٰؑ کے وزیر مولانا امام ہارون علیہ السّلام تھے، حضرت عیسیٰؑ کے وزیر مولانا امام شمعون علیہ السّلام تھے، اور حضرت محمّد مصطفےٰ صلعم کے وزیر مولانا امام علی علیہ السّلام ہیں۔

یہاں یہ ایک اور حدیث کی وضاحت کی جاتی ہے، جو "حدیثِ مماثلتِ ہارونی" کے نام سے مشہور ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: یا عَلِیُّ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَتِیْ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰی[1] اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ اے علی! تیرا درجہ مجھ سے ایسا ہے، جیسے ہارون کا درجہ موسیٰ سے تھا، مگر یہ کہ میرے بعد (کوئی) پیغمبر نہیں ہے۔

یہ حدیث زبانِ حکمت سے ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے، کہ بے شک مولانا علیؑ پیغمبر نہیں ہیں، اس لئے وہ ذاتی طور پر ظاہری پیغام پہنچانے کے ذمہ دار نہیں، لیکن جہاں تک خدا اور رسولؐ سے ان کی قربت و نزدیکی اور امرِ نبوّت میں شریک ہونے کا تعلق ہے۔ اس کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے، کہ پہلے

تو اُن آیات پر غور کیا جائے، جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے بارے میں ہیں، اس کے بعد ان تمام آیات کا دِقّتِ نظر سے مطالعہ کیا جائے، جو آنحضرت کے ظاہری اور باطنی فضائل و کمالات اور مومنین کے اوصاف کی آئینہ دار ہیں، پھر آپ کو اس حقیقت میں ذرہ بھر بھی شک نہ رہے گا، کہ علیؑ جو عجائب و غرائبِ الٰہیہ کے مظہر ہیں، وزیر کی مرتبت میں حضورِ اقدس صلعم کے ساتھ ساتھ وحئ آسمانی اور علمِ لدنّی سے آراستہ و پیراستہ ہو کر سرچشمۂ رشد و ہدایت بھی ہیں اور امیر المومنین کی حیثیت سے اسلام، ایمان، عبادت، ریاضت، حیا، تقویٰ، صبر، شجاعت، احسان، سخاوت، علم، حلم، حکمت، فضیلت، کرامت وغیرہ جیسی صفاتِ حُسنہ میں اہل ایمان کے آگے آگے بھی ہیں، کیوں نہ ہو، جبکہ آپ ہی سردارِ رُسل اور شاہِ سُبُل کے وزیر ہیں، اور وزیر کا فرضِ منصبی ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ وہ نہ صرف امورِ سلطنت کے نظم و نسق میں بادشاہ کا اوّلین رازدار، معاون اور مددگار ہوا کرتا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ قوانینِ سلطنت کی پیروی میں رعایا سے سبقت و فوقیّت لے جا کر عملی مثال بھی پیش کرتا ہے۔

جب ہم شروع شروع میں قرآن مجید کی اُن پُرحکمت آیتوں کو سطحی نظر سے دیکھتے ہیں، جو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کے قصّے میں آئی ہیں، تو ہمیں صرف اس قدر معلومات فراہم ہوتی ہیں، کہ موسیٰؑ کی طرح ہارونؑ پر بھی وحی نازل ہوا کرتی تھی، اور وہ موسیٰ کے وزیر اور خلیفہ تھے، لیکن اس طائرانہ نظر سے یہ ہرگز معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ وزارت

کے اس منصبِ اعلیٰ پر مامور ہونے کے بعد کِن کِن موقعوں پر اور کیسے کیسے حالات میں اپنے بھائی موسیٰؑ کی حمایت و یاری کرتے رہے؟ یہ سوال بظاہر نہایت ہی پیچیدہ اور سخت دکھائی دیتا ہے۔ کیونکہ موسیٰؑ خود ہر موقع پر تبلیغِ رسالت میں مصروف نظر آتے ہیں اور ہارونؑ اکثر ان کے ساتھ ہوتے تو ہیں مگر خاموش۔

لیکن جب ہم بعد میں ان آیات کی معنوی گہرائیوں میں اُتر کر حکمت سے خوب استفادہ کرتے ہیں، تو ہم اس حقیقت سے بخوبی واقف و آگاہ ہو جاتے ہیں، کہ تمام امورِ دین کے دو دو پہلو ہوا کرتے ہیں، ظاہر اور باطن، یا تنزیل اور تاویل، تنزیل آسمانی کتاب کی ظاہریّت کا نام ہے، جس میں احکامِ الٰہی کے ظاہری پہلو نظر آتے ہیں، تاویل کتاب کی باطنیّت کو کہتے ہیں جس میں ان احکام کے باطنی پہلو پوشیدہ ہوتے ہیں چنانچہ حضرت موسیٰؑ کا تعلّق تنزیل سے تھا اور حضرت ہارونؑ کا تعلّق تاویل سے، اور یہ ایک لازمی بات ہے، کہ جس شخص کا تعلّق پوشیدہ کاموں سے ہو، تو اُس کی حیثیّت بھی پوشیدہ رہا کرتی ہے۔

اب اس حقیقت کی دلیل پیش کی جاتی ہے، کہ موسیٰ کا تعلّق تنزیل سے تھا، اور ہارونؑ کا تعلّق تاویل سے، وہ اس ارشاد سے ظاہر ہے کہ:۔

وَاَخِي هارون هُوَاَفْصَحُ منّي لِسانًا فارسله معي رِدًا يُصدّقني اِنّي اَخاف اَن يُكذِّبون ۲۸/۳۴ اور (موسیٰ نے کہا) میرا

بھائی ہارون جو میری نسبت زبان میں زیادہ فصیح ہے، پس اُسے میرے ساتھ مددگار بنا کر بھیجئے (تاکہ) وہ میری تصدیق کرے، یقیناً میں ڈرتا ہوں کہ وہ کہیں مجھے نہ جھٹلائیں۔

یہاں موسیٰؑ نے اپنے بھائی ہارونؑ کی جس فصاحت کا ذکر کیا ہے، اس سے تاویل مراد ہے، کیونکہ جہاں لوگ تنزیلی اُمور کے نہ سمجھنے سے نبوّت کی تکذیب کرتے ہیں، وہاں تاویل کی روشنی میں اُن پر حقیقت ظاہر کرکے نبوّت کی تصدیق کی جاسکتی ہے، ورنہ یہ بات کیسے ممکن ہے، کہ جب موسیٰؑ کہتے ہیں، کہ میں خدا کا پیغمبر ہوں، اور ساتھ ہی ساتھ زبردست معجزات کی صورت میں اس کا ثبوت بھی پیش کرتے ہیں، تو لوگ ان کی تکذیب کرتے ہیں، مگر جب ہارونؑ صرف اپنی ظاہری فصاحت و بلاغت ہی سے اُن کو سمجھاتے ہیں، تو وہ جھٹلانے سے باز آکر موسیٰ علیہ السّلام کی نبوّت کے قائل ہو جاتے ہیں، بلکہ اس واقعہ کی حقیقت تو یہ ہے کہ ہارونؑ نے تاویل کی روشنی میں نہ صرف اپنی جسمانی زندگی کے دوران موسیٰؑ کی نبوّت کی تصدیق کی، بلکہ وہ پورے دَور میں، جو حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ تک ہے، اپنے سلسلۂ اولاد کی حیثیت میں بھی یہی کام انجام دیتے رہے، کیونکہ یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا، کہ نبوّت کی تکذیب و تصدیق نبی کی زندگی ہی تک محدود رہے، اور بعد وفات یہ بحث بالکل ختم ہو جائے، چنانچہ امرِ واقعہ اس کے برعکس ہے، اور وہ یہ ہے، کہ جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا ہے، تو عوام الناس بھی پیغمبر سے دُور تر ہوتے جاتے ہیں،

اس صورت میں لوگوں پر اتمامِ حجت اور فرمانبرداروں کی رہنمائی کے لئے پیغمبر کے وزیر اپنی اولاد کی حیثیت میں موجود ہوتے ہیں، تاکہ پورے دور میں یکسان اور مسلسل طور پر تصدیقِ نبوّت کا کام جاری و ساری رہ سکے۔

اس بیان میں سردارِ رُسل صلعم کے وزیر مولانا علیؑ کے بارے میں جو امامِ زمانہ علیہ السلام کی نورانی حیثیت میں ہیں، بہت سے روشن حقائق موجود ہیں، جن کا بالواسطہ اور بلاواسطہ دو طرح سے ذکر کیا گیا ہے، اس موقع پر اہلِ دانش کے لئے علم و عرفان کے یہی تذکرے اور اشارے کافی ہیں۔

بموقعِ عیدِ میلاد النبیؐ
سہ شنبہ ۱۲ ربیع الاوّل ۱۳۹۰ھ
بمطابق ۱۹ مئی ۱۹۷۰ء

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۵۷

توحید

"توحید" ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ایک ہونا، ایک بنانا، ایک ماننا اور ایک تصوّر کرنا، اور اس کے اصطلاحی معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت و یکتائی کا اعتقاد، یعنی خدائے واحد پر ایمان لانا اور اس کی وحدت کا قائل ہونا، یہ تو صرف توحید کی لفظی تحلیل ہوئی اب یہ دیکھنا ہے، کہ اس لفظ کے معنی سے خدا کی جو یکتائی مراد ہے، وہ کس طرح سمجھائی جا سکتی ہے، چنانچہ اس سلسلے میں اہلِ تصوّف کے نظریئے سے کچھ مثالیں پیش کی جاتی ہیں:۔

توحیدِ وجودی

توحیدِ وجودی یا وحدت الوجود کے معنی ہیں تمام ہستی کو ایک ماننا، یعنی یہ عقیدہ رکھنا، کہ ساری موجودات و مخلوقات کی حقیقی ذات ایک ہے، جو خدا کے نور اور رحمت میں مستغرق ہے، اور اس تصوّر کی مدد سے یہ حقیقت سمجھ لینے کی کوشش کرنا، کہ کوئی چیز خدا کی قدرت و حکمت سے خالی نہیں، اب اگر یہ معلوم ہو جائے، کہ ہر چیز میں خدا کی قدرت و حکمت موجود ہے، تو لازمی ہے، کہ تمام مظاہرِ

قدرت کو ایک مان لیا جائے، اور قدرت کو قادرِ مطلق سے جُدا نہ سمجھا جائے۔ چنانچہ جامی صاحب کی یہ رباعی اس مطلب کی خوب ترجمانی کرتی ہے :۔

مجموعۂ کونین بقانونِ سبق
کردیم تفحّص ورقاً بعد ورق
حقّا کہ ندیدیم و نخواندیم درو
جُز ذاتِ حق و شئونِ ذاتیۂ حق

ترجمہ :۔ ہم نے درس کے اصول پر دونوں جہاں کی کتاب کے اوراق کو تحقیق و تجسّس سے پڑھ لیا، خدا کی قسم ہم نے اس میں حق تعالیٰ کی ذات اور (علمی مراتب کے مطابق) اس کے مختلف ظہورات کے سوا اور کوئی شئ نہیں دیکھی۔ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ نے اس حقیقت کو چند لفظوں میں اس طرح بند کیا ہے : "فطرت خدا کی زندہ کتاب ہے"

توحیدِ عیانی

جب کوئی خاص بندہ خدا کے نور کی قربت حاصل کر کے اپنی صفات کو خدا کی صفات میں فنا کر دیتا ہے، تو اس کی خودی خدا کی تجلّیوں میں گُم ہو جاتی ہے، ایسے میں بعض عارف انا الحق (میں حق ہوں) جیسا کوئی نعرہ بلند کرنے لگتے ہیں، معرفت کا یہ مقام فنا فی اللہ و بقا باللہ کہلاتا ہے، یعنی اپنی صفات سے فنا ہو کر خدا کی صفات میں زندہ ہو جانا۔

توحید کی مذکورہ مثالوں سے یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے، کہ جس طرح

کثرت وحدت ہی سے پیدا ہوئی تھی، اسی طرح پھر یہ رفتہ رفتہ وحدت ہی میں فنا ہونے والی ہے، جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے:

"کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقیٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُوالْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ" (الرحمٰن ۵۵ آیہ ۲۶ تا ۲۸) یعنی سب جو اس (زمین) پر ہیں فنا ہونے والے ہیں، اور باقی رہے گی آپ کے پروردگار صاحبِ جلالت و احسان کی ذات پس تم دونوں (جن و انس) اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔ ظاہر ہے کہ یہ فنا وہی ہے جس کا اُوپر ذکر ہوا، یعنی فنا فی اللہ و بقا باللہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ فنا بھی حق تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔

رسولؐ اللہ کا ارشادِ گرامی ہے، کہ: "حق تعالیٰ نے اپنے دین کو اپنی خلق ہی کی طرح بنایا، تاکہ اس کی خلق سے اس کے دین کی دلیل لی جا سکے اور اس کے دین سے اس کی وحدانیّت کی دلیل لی جا سکے"۔

خلق سے دینِ حق کی دلیل

کائنات و مخلوقات سے دینِ حق کی دلیل یہ ہے، کہ آسمانوں اور ستاروں کے اثرات عناصر میں تحلیل ہو جاتے ہیں، عناصر سے نباتات اُگتی ہیں، نباتات سے حیوانات کی پرورش ہوتی ہے، حیوانات کے فائدے انسانوں کو ملتے ہیں، یا یوں کہنا چاہیئے کہ اس ترتیب میں ہر مخلوق اپنے سے برتر مخلوق میں فنا ہو کر ایک اعلیٰ قسم

کی ہستی میں بدل جاتی ہے۔

دینِ حق سے خدا کی وحدانیّت کی دلیل

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"اور تم سب لوگ اللہ تعالیٰ کی رسّی (ولایت) کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور متفرّق نہ ہو اور یاد کرو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو جو تم پر ہے، جبکہ تم دشمن تھے، پس اُس نے تمہارے دلوں کے درمیان اُلفت ڈال دی تم اس کی نعمت کے طفیل بھائی بھائی ہو گئے"۔

اس ارشادِ الٰہی میں یہ حکمت پوشیدہ ہے، کہ لوگ قبولِ اسلام سے قبل ایک دوسرے کے دشمن تھے، خدا و رسول نے دینِ حق کی نعمت سے، جو سب کے لئے ایک ہی ماں کے دودھ کا درجہ رکھتی تھی، ان کو بھائی بھائی بنایا، اب اس نعمت کے بعد ان کو ایک ایسی بے مثال نعمت کی طرف بُلایا جاتا ہے، کہ جس سے وہ ایک جان کے مانند ہو سکتے ہیں، کیونکہ وحدت کے سلسلے میں بھائی بھائی ہونے کے بعد ایک جان کے مانند ہونا ہے، چنانچہ رسول اکرمؐ کا ارشاد ہے:

"اِنّما المومنون اخوۃٌ والانبیاءِ کنفسٍ واحدۃ۔ یعنی مومنین بھائی ہیں اور انبیاء (و اولیاء) ایک جان کے مانند ہیں"۔ اور سب سے بڑی قیامت برپا نہ ہوگی جب تک کہ مومنین ایک جان کے مانند ہو کر یکدلی نہ اختیار کریں، چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مَاخلقکم ولا بعثکم الّا کنفسٍ واحدۃ ۳۱/۲۸۔

اور نہیں تمہاری ازلی پیدائش اور بعث مگر ایک جان کے مانند"، یعنی جس طرح تم ازل میں ایک جان کی طرح پیدا کئے گئے تھے، اسی طرح وحدت کے مقام پر پہنچ کر تم ایک ہو جاؤ گے۔ پس دینِ حق سے خدا کی وحدانیت کی دلیل و مثال یہ ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام انبیاء، اولیاء، اور مومنین کی وحدت کے مرکز ہیں، اور آنحضرت کا نور امامِ حیّ و حاضر کے لباس میں تا قیامت جلوہ گر ہے۔

توحیدِ مطلب صوفیائے کرام کے نزدیک توحیدِ مطلب یہ ہے کہ مُرید، پُوری تابعداری اور سچی محبت کے وسیلے سے اپنے پیر و مُرشد کے ساتھ وابستہ ہو جائے، رشد و ہدایت حاصل کرنے کے لئے کسی دوسرے شخص کی طرف ہرگز توجہ نہ کرے اور رفتہ رفتہ اپنی تمام خواہشات کو اپنے مرشد کی خوشنودی میں فنا کر دے، یہ ہوئی "توحیدِ مطلب"، یعنی ذریعۂ ہدایت کے ساتھ اپنے آپ کو ایک کر دینا۔

(از قلم علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

چاندرات ارشاد نمبر ۶۴ : ۱۶۰

آیاتِ دُعا کے بنیادی حقائق

(تحریر از علّامہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امام صلوٰۃ اللہ علیہ وسلامہ کے ارشاداتِ گرامی میں اس امر پہ زور دیا گیا ہے کہ ہم اسماعیلی اپنی مروّجہ دُعا کے معنی و مطالب اور بنیادی حقائق کو بخوبی سمجھ لیا کریں، کیونکہ اس مبارک و مقدّس دُعا کے الفاظ، اسماء، کلمات اور آیات نہ صرف حقیقی عبادت کے لحاظ سے پُر مغز اور پُر حکمت ہیں بلکہ یہ اسماعیلی عقیدہ اور نظریہ کے اعتبار سے بھی بنیادی اہمیّت کی حامل ہیں، چنانچہ ہم دُعا کے اُن اجزاء کی کچھ اساسی حقیقتیں بیان کرتے ہیں، جو آیاتِ قرآن کی صورت میں ہیں۔

حصّۂ اوّل

سورۂ فاتحہ | سورۂ فاتحہ مکّہ میں نازل ہوئی اور بعض روایتوں کے

مطابق مدینہ میں بھی نازل ہوئی۔ اس کو سبع المثانی کہتے ہیں۔ چنانچہ سبع کے معنی ہیں سات اور مثانی کے معنی ہیں دہرائی ہوئی، جس سے یہی سورۂ فاتحہ مراد ہے کہ اس کی سات آیتیں ہیں اور یہ دو دفعہ نازل ہوئی ہے۔

اس سورت کے بہت سے نام ہیں۔ جیسے سورۃ الحمد کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی گئی ہے، سورۃ الفاتحہ کیونکہ اسی سے قرآن شریف کا آغاز ہوتا ہے، اساس القرآن کہ یہی کتابِ الٰہی کی بنیاد ہے، سورۂ شفا کہ اس کی تاثیر سے روحانی اور جسمانی شفا حاصل ہوتی ہے، سورۃ الکنز، چونکہ یہی سورہ قرآن پاک کے سارے علوم کا خزانہ ہے، اور اُمّ الکتاب یا اُمّ القرآن، چونکہ قرآن شریف کے تمام مضامین اجمالی طور پر اس میں سمودئے گئے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے نام ان کے علاوہ اور بھی ہیں جن سے اس سورہ کی عظمت و فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔

سورۂ فاتحہ میں خداوند عالم نے اپنے بندوں کو بطریقِ جامع ضروری امور کی تعلیم دی ہے بالفاظِ دیگر یہ سورت قرآن پاک کی تمام حقیقتوں کا سرچشمہ اور ساری حکمتوں کا خزانہ ہے۔ یہی سبب ہے کہ اس کے ناموں میں سے ایک خاص نام اُمّ الکتاب یا کہ اُمّ القرآن ہے جس کے معنی ہیں: کتاب کی اصل یا کہ قرآن کی اصل (ORIGIN)۔

حصّہ دوم

(الف) آیۂ اطاعت

حضرت امام محمد باقر علیہ السّلام سے روایت ہے، آپ نے فرمایا کہ پروردگارِ عالم نے یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (اے ایمان والو) فرما کر قیامت تک کے مومنین سے یعنی ہر زمانے کے مومنین سے خطاب کر کے فرمادیا کہ اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم، یعنی اے ایمان والو! تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحبانِ امر ہیں ان کی اطاعت کرو (۴/۵۹)۔

امام باقر علیہ السّلام فرماتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں اللہ و رسول کی اطاعت کے بعد جن صاحبانِ امر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے اس سے ہم ائمۂ اہلِ بیت مراد ہیں۔

(ب) امامِ مبین

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ وَکُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰہُ فِیْۤ اِمَامٍ مُّبِیْنٍ (۳۶/۱۲) اور ہم نے ہر چیز کو امامِ مبین میں جمع کر رکھا ہے۔

جناب امام محمد باقر علیہ السّلام سے بروایت اپنے والد ماجد وجدِّ امجد کے منقول ہے کہ جب جنابِ رسولِ خدا پر یہ آیت نازل ہوئی تو اصحاب میں سے چند حضرات اپنی اپنی جگہ سے کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ کہ آیا امامِ مبین سے مراد توریت ہے؟ فرمایا

نہیں، انہوں نے عرض کی: پھر انجیل ہے؟ فرمایا نہیں۔ پھر انہوں نے عرض کی: آیا قرآن ہے؟ فرمایا نہیں، اتنے میں جناب امیر المومنین مولانا علیؑ تشریف لے آئے، آنحضرت نے فرمایا: دیکھو! وہ امام جس میں خدائے تعالیٰ نے ہر چیز کے علم کا احصا فرمادیا ہے۔

جناب امیر المومنین علی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ خدا کی قسم وہ امام مبین میں ہوں، میں حق و باطل کو صاف صاف بیان کر دیتا ہوں اور میں نے یہ عہدہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وراثتاً پایا ہے (بحوالۂ تفسیر صافی و تفسیر عمدۃ البیان وحاشیہ ترجمہ قرآن از مقبول احمد صاحب)۔

حصّۂ سوم

امرِ ولایت جب مذکورۂ بالا آیۂ اطاعت کے ذریعے خدا اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے بعد صاحب امرؑ یعنی امامِ وقتؑ کی اطاعت فرض کی گئی تو لوگ سمجھ نہ سکے، کہ ولایت کیا ہے؟ ہر چند کہ رسول اللہ مختلف موقعوں پر مولانا علی علیہ السلام کی ولایت کے متعلق لوگوں کو سمجھا دیا کرتے تھے، اور یہ کام نزولِ وحی کے آغاز ہی سے جاری تھا۔ جیسے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ سے علیؑ کو وہی درجہ ہے جو موسیٰؑ سے ہارونؑ کو تھا۔ پھر بھی لوگ علیؑ کی ولایت سمجھنے سے

قاصر رہے۔ اس وقت پروردگارِ عالم نے آنحضرت صلعم کو یہ حکم دیا
کہ آپ اُمّت کو ولایت کا مفہوم بھی اسی طرح سمجھا دیں جس طرح
سے کہ آپ نے دوسرے امور کی صورت و کیفیت سے واقف کیا ہے
پس مفہومِ ولایت سمجھانے کا یہ حکم خداوند عالم نے جب آنحضرت صلعم
پر نازل کیا تو اس وقت آپ کا دل بیٹھ گیا اور آپ کے دل میں یہ خوف
پیدا ہوا کہ کہیں خدانخواستہ لوگ آپ کے دین سے مُرتد نہ ہو جائیں اور
آپ کی نبوّت کی تکذیب نہ کر بیٹھیں۔ اس اندیشے کی وجہ سے آپ امرِ
ولایت کے متعلق دوبارہ رب العزّت سے مخاطب ہوئے تو خداوند
تعالیٰ نے یہ وحی نازل کی کہ:۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ط وَإِن
لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ط وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۵/۶۷

ترجمہ:۔ اے رسول جو کچھ (امرِ ولایت کے بارے میں) آپ کے
رب کی جانب سے آپ پر نازل کیا گیا ہے آپ اس کو پہنچا دیجئے اور اگر
آپ ایسا نہ کریں گے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کا ایک پیغام بھی نہیں پہنچایا
اور اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا۔

چنانچہ آنحضرت صلعم نے امرِ الٰہی کو ظاہر کر دیا، اور مقامِ غدیرِ خم
میں امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کی ولایت و امامت کا اعلان
کر دیا۔ آپ نے پہلے تو اس پیغام کو پہنچانے کے لئے "الصّلوٰۃ جامعۃ"
کی ندا کروائی اور آپ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جو حاضر ہے، وہ اس پیغام

کو غائب تک پہنچا دے۔

حصّہ چہارم

بیعتِ رضوان ہجرت کے چھٹے سال میں صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے بیک وقت چودہ سو اصحاب سے، جو اس وقت حاضر تھے بیعت لی، اس کے بعد سورۂ فتح نازل ہوئی جس میں بعض دوسرے امور کے ساتھ ساتھ بیعت کی حقیقت و حکمت کے بارے میں بھی ارشاد ہے کہ: (اے رسول!) جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ (واقع میں) اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، خدا کا ہاتھ اُن کے ہاتھوں پر ہے پھر (بیعت کے بعد) جو شخص عہد توڑے گا تو اُس کے عہد توڑنے کا وبال اسی پر پڑے گا، اور جو شخص اس بات کو پورا کرے گا جس پر (بیعت میں) خدا سے عہد کیا ہے، سو عنقریب خدا اُس کو بڑا اجر دے گا ۴۸/۱۰۔

اس بیعت کے متعلق حق تعالیٰ نے خوشنودی کا اظہار فرمایا اسی لئے اس کو بیعتِ رضوان کہتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے کہ:۔ لَقَدْ رَضِیَ اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ ۴۸/۱۸ یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو گیا، جس وقت کہ انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی۔

آیۂ بیعت کی مذکورہ تعلیم سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوئی کہ مومنین دین وایمان کی حفاظت کے لئے اپنے آپ اتفاق واتحاد کے رشتہ میں منسلک ہرگز نہیں ہوسکتے بجز آنکہ وہ ایک ایسی مقدّس ہستی کے مبارک ہاتھ پر بیعت کریں اور اس سے ہمیشہ وابستہ رہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے مومنین کے لئے حقیقی اتحاد کا مرکز قرار دیا ہے۔ جس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ ہے جس سے بیعت کرنا خدا سے بیعت کرنا ہے اور جس کا فرمان ماننا خدا کا فرمان ماننا ہے اور ایسی پاک ہستی پیغمبر اور امام علیہما السّلام کی ہے۔

چنانچہ اسماعیلی مذہب کا یہ عقیدہ ایک زندہ حقیقت کی حیثیّت سے ہے کہ مومنین کی ہدایت کرنے اور ان سے فرمانبرداری اور اتحاد کی بیعت لینے کے لئے آنحضرتؐ کے وصی ہمیشہ دنیا میں حاضر اور موجود ہیں جو محمدؐ و علیؑ کے نور کے حامل اور امامِ زمانہ کا درجہ رکھتے ہیں۔

حصّۂ پنجم

امانات حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ اور (اس کے) رسول کی (امانتوں میں) خیانت نہ کرو، اور نہ اپنی امانتوں کی خیانت کرو، حالانکہ تم جانتے ہو ۸/۲۷۔

اس ارشادِ الٰہی کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ قرآن کے علم و حکمت اور رُتبۂ آلِ محمد (یعنی امامت) خدا اور اس کے رسول کی امانتیں ہیں۔ پس ایمان والوں کو چاہئے کہ وہ ان امانتوں میں خیانت نہ کریں یعنی وہ ان مقدّس امانتوں کے مالک ہونے کا دعویٰ نہ کریں، بلکہ اُن کو خدا اور رسول کی ملکیّت سمجھیں چنانچہ قرآن کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ قرآن کے علم و حکمت اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اور اس کے رسول جانتے ہیں، وصیِّ رسولؐ جانتے ہیں اور رُتبۂ امامت کے بارے میں عقیدہ رکھیں کہ امامت حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہے اور آنحضرت کے بعد یہ امانت ان کی آلِ پاک کی ہے اور ایمان والوں کو ان امانتوں میں دخل دینے کا حق نہیں۔ پس اس عقیدہ اور تصوّر کی مثال ایسی ہے جیسے خدا اور رسول کی امانتیں ادا کر دی گئیں۔ اس کے برعکس اگر وہ ان امانتوں میں خیانت کریں تو گویا وہ خود اپنی ان امانتوں میں خیانت کرتے ہیں، جو قرآن اور امامت کے ذریعے روح الامین کے فیوض و برکات کی صورت میں اُن کو مل سکتی تھیں۔

چنانچہ خدا اور رسول کی یہی مقدّس امانتیں تھیں جن کے بارے میں آنحضرتؐ نے ان الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ: میں اپنے بعد تمہارے درمیان دو گرانمایہ چیزیں چھوڑ دیتا ہوں خدا کی کتاب (یعنی قرآن مجید) اور میری عترت واہلِ بیت، اگر تم ان دونوں کو پکڑے رہو گے تو تم میرے بعد ہرگز ہرگز گمراہ نہ ہو جاؤ گے کیونکہ یقیناً یہ دونوں ایک دوسرے

سے ہر گز جدا نہ ہوں گی یہاں تک کہ یہ دونوں حوضِ کوثر پر مجھ سے آن ملیں۔

اب معلوم ہوا کہ یہ دونوں گرانمایہ چیزیں وہی ہیں جن کو مذکورۂ بالا آیت میں خدا اور رسول کی امانتیں کہا گیا ہے اور یہ دونوں مقدّس چیزیں امانت اس معنی میں ہیں کہ ملکیّت جس کی ہو اس کو اختیار ہے کہ وہ جیسا چاہے استعمال کرے، مگر امانت جس کے پاس ہو اُس کا فریضہ ہے کہ صاحبِ امانت سے یہ بات پوچھ لیا کرے کہ اس امانت کا مقصد و منشاء کیا ہے، اس سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اس کی کیا کیا شرطیں ہیں۔

حصّۂ ششم

سورۂ اخلاص سورۂ اخلاص مکّہ یا مدینہ میں نازل ہوئی اور اس کی چار آیتیں ہیں۔ اخلاص کے معنی کسی چیز کو آمیزش اور ملاوٹ سے خالص اور پاکیزہ کرنے کے ہیں، چنانچہ اس سورۃ میں توحید کو شرک اور دہریّت کی آمیزش سے خالص اور پاکیزہ کرنے کی تعلیم دی گئی ہے اس لئے اس کو سورۂ اخلاص کہتے ہیں۔ اس اہمیت کی بناء پر اس کو قرآن پاک کی تمام تعلیمات کا خلاصہ اور نتیجہ کہا گیا ہے۔

حضرت امام جعفر الصادق علیہ السّلام سے روایت ہے کہ یہودیوں

نے رسولِ خدا سے پوچھا کہ تم اپنے پروردگار کا نسب بیان کرو اور انہوں نے تین بار یہی پوچھا لیکن حضرت جواب نہیں دیتے تھے یہاں تک کہ جبرائیلؑ یہ سورہ لے کر آئے۔

سورۂ اخلاص کا مقصد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت (یکتائی) کا مفہوم سمجھانا ہے اور وہ نظریۂ وحدت الوجود کے مطابق درست ہے، یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ ساری موجودات و مخلوقات کی حقیقی ذات ایک ہے۔ جو خدا کے نور اور رحمت میں مستغرق ہے اور اس تصوّر کی مدد سے یہ حقیقت سمجھ لینے کی کوشش کرنا کہ کوئی چیز خدا کی قدرت و حکمت سے خالی نہیں۔ اب اگر یہ معلوم ہو جائے کہ ہر چیز میں خدا کی قدرت و حکمت موجود ہے تو لازمی ہے کہ تمام مظاہرِ قدرت کو ایک مان لیا جائے اور قدرت کو قادرِ مطلق سے جُدا نہ سمجھا جائے، چنانچہ حضرت مولانا امام سلطان محمد شاہ صلوٰت اللہ علیہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ: کہا جاتا ہے کہ ہم سب خدا میں رہتے ہیں، خدا میں حرکت کرتے ہیں اور ہمارا وجود خدا میں ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ خدا کے ارادہ اور اس کے منشا سے باہر کوئی شے اور کوئی وجود نہیں۔

حدودِ دین

(بقلمِ علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی)

حدودِ دین کے لفظی معنی ہیں دین کی حدیں اور اس کا مطلب ہے دین کے درجے یا کہ دعوت کے ارکان، قرآنِ حکیم میں بطریقِ حکمت دین کے حدود اور درجات کا خاص طور سے ذکر موجود ہے، چنانچہ ارشادِ ربانی ہے:۔

وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ [۶۵:۱]

"اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے حدود سے نکل جائے، پس تحقیق اُس نے اپنے آپ پر ظلم کیا"۔ یعنی جو انسان حدودِ دین کے دائرۂ فرمان سے نکل جاتا ہے تو وہ یقیناً اپنی روح پر بہت بڑا ظلم کرتا ہے، اور اگر وہ ان حدود کی فرمانبرداری کرتا ہے تو وہ قربِ الٰہی کے ان حدود اور درجات کے وسیلے سے معرفت کے ایک خاص مقام تک پہنچ سکتا ہے، جیسا کہ قولِ قرآن ہے:۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ط وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (۳/۱۶۳) یعنی "وہ (حدودِ دین) خدا کے نزدیک درجے ہیں، اور جو کچھ وہ کرتے ہیں خدا اُسے دیکھ رہا ہے۔" چنانچہ ہم ذیل میں حدودِ دین یعنی دعوت و معرفت کے مدارج کی کچھ وضاحت کر دیتے ہیں۔

مستجیب | جس شخص نے دعوتِ حق (اسماعیلیت) قبول کر لی ہے یا جو خاندانی اسماعیلی حصولِ حقیقت کی ابتدائی حد میں ہو، وہ اس مذہب کی اصطلاح میں مستجیب کہلاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (۸/۲۴) اے ایمان والو! تم اللہ اور رسول کی دعوت کو قبول کرو جبکہ رسولؐ تم کو اس چیز کے لئے دعوت کرے جو تم کو (روحانی طور پر) زندہ کر دینے والی ہے۔

ظاہر ہے کہ مستجیب اسماعیلی دعوت کی ابتدائی حد ہے اور یہیں سے دعوت الحق یعنی اسماعیلیّت شروع ہو جاتی ہے، پس مستجیب صرف شروع شروع کی دینی تعلیمات اور ابتدائی ہدایات حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے، مگر وہ کسی دوسرے کو دعوت نہیں کر سکتا۔

ماذون | ماذون کے معنی ہیں اذن یافتہ شخص، یعنی ایک ایسا اسماعیلی

جو مستجیب کی حد میں تھا، لیکن بعد میں دینی علم کی قابلیت کے سبب سے اس کو دعوت کرنے کی اجازت دی گئی ہے، ماذون دو درجوں میں ہوتے ہیں؛ ماذونِ محدود اور ماذونِ مطلق۔

(الف) ماذونِ محدود، یعنی وہ ماذون جو دعوت کے لئے ایک طرح سے اذن یافتہ تو ہے، مگر اس کے بارے میں کُلّی طور پر آزاد نہیں، یعنی اُس کو صرف اتنی اجازت ہے کہ وہ کسی کے باطل عقیدے کو ایک سخت مسئلے کی صورت دے کر توڑ دیتا ہے، مگر وہ اُس سوال کا جواب نہیں دیتا، اور وہ اُسے یہ ظاہر کر دیتا ہے، گویا وہ خود بھی اس جواب کی تلاش میں لگا ہے، تا کہ وہ شخص، جس کا باطل عقیدہ توڑا گیا ہے، حدودِ اعلیٰ کی طرف رجوع ہو جائے، پس اسی معنی میں ماذونِ محدود کو مکاسر کہا جاتا ہے، مکاسر کے معنی ہیں توڑنے والا، یعنی وہ لوگوں کے باطل عقائد کو توڑ دیتا ہے۔

ماذونِ محدود کا درجہ یہ ہے کہ وہ مُستجیبوں کے دلوں کو علمِ حقیقت کی طرف متوجّہ کر دیتا ہے۔

(ب) ماذونِ مطلق، یعنی وہ ماذون جسے داعی کی نگرانی میں دعوتِ حق کی پوری آزادی حاصل ہے، اُسے اختیار ہے کہ مستجیب کے ضروری سوالات کے جوابات دے دے۔ وہ سب سے پہلے مستجیب سے عہد و پیمان لیتا ہے کہ وہ اس کے بعد حدودِ دین کی تابعداری کرتا رہے گا، اور اسرارِ دین کو گنجِ گرانمایہ کی طرح مخفی اور محفوظ رکھے گا۔ ماذونِ مطلق

کا مرتبہ عہد و پیمان لینا ہے۔

داعی

داعی کے لُغوی معنی بلانے والے کے ہیں، جس سے مراد یہاں حدودِ دین میں سے وہ شخص ہے جو حجّت کی طرف سے دعوت و تبلیغ کے لئے مقرر کیا گیا ہے، چنانچہ ہر حجّت کے تحت تیس ۳۰ داعی دعوت کے امور کو انجام دیتے رہتے ہیں، اسی طرح کُرّۂ ارض کے بارہ حجّتوں کے کُلّ تین سو ساٹھ ۳۶۰ داعی ہوا کرتے ہیں۔

عام طور پر داعی کے دو درجے ہوتے ہیں: داعیٔ محدود اور داعیٔ مطلق اور بعض دفعہ ان کے علاوہ داعیٔ بلاغ کو بھی مقرر کیا جاتا ہے۔

داعیٔ محدود کا رُتبہ یہ ہے، کہ وہ جسمانی حدود کی شناخت اور ظاہری عبادت کی تعلیم دیتا ہے، داعیٔ مطلق کا درجہ یہ ہے، کہ وہ رُوحانی حدود کی معرفت اور باطنی عبادت کی تعلیم دیتا ہے، اور داعیٔ بلاغ کا منصب یہ ہے کہ وہ دلائل و براہین اور علمِ آخرت کی تعلیم دیتا ہے۔

حُجّت

حُجّت کے معنی دلیل اور غلبہ کے ہیں، جس کا مطلب ہے دلیل میں غالب آنا۔ اور حدودِ دین کے سلسلے میں حجّت اس عظیم المرتبت شخص کو کہتے ہیں، جو علمِ روحانیّت میں یگانۂ روزگار ہو، جسے زمانے کے امام نے دنیا کے کسی جزیرے میں راہِ حق کی ہدایت کے لئے مقرّر فرمایا ہو، اور ہر دَور کے جغرافیہ کے مطابق کُرّۂ ارض کے

بارہ جزیرے (مناطق) مانے گئے ہیں، پس ہر جزیرے میں ایک حجّتِ شب اور ایک حُجّتِ روز مقرر ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ امام علیہ السّلام کی حضرت میں بھی چار حجّت ہوتے ہیں۔ اس طرح حجّتوں کی مجموعی تعداد اٹھائیس ۲۸ ہے۔

حجّت کو صاحبِ جزیرہ کہا جاتا ہے، اور بعض دفعہ داعی بھی کہا گیا ہے، نیز بعد کے زمانوں میں حُجّت یا داعی کے لئے پیر کا لقب بھی استعمال ہوا ہے۔ حجّت کا علمی مرتبہ یہ ہے کہ وہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ کرتا ہے۔

باب

باب دروازے کو کہتے ہیں، یہاں باب سے مراد حجّتِ اعظم ہے، جو امامِ عالی مقام کے علم و معرفت اور نورِ حقیقت کے دروازے کی حیثیّت رکھتا ہے۔ باب کو داعیُ دعات اور رئیسِ مجلسِ دعوت بھی کہتے ہیں، یعنی داعیوں کا داعی اور مجلسِ دعوت کا صدر، باب کا عرفانی مرتبہ یہ ہے کہ وہ فصل الخطاب کا مالک ہے، یعنی اُس کے پاس علمِ ظاہر اور علمِ باطن دونوں بدرجۂ اتم موجود ہوتے ہیں۔

امام

امام کے عام و خاص بہت سے معانی اور درجے ہیں، کیونکہ جسمانی حیثیت کے اعتبار سے بھی اور روحانی حقیقت کے لحاظ سے بھی اس کی مبارک و مقدّس ہستی کے گوہرِ نایاب کے بہت سے پہلو ہیں۔

وہ اگرچہ اپنی ازلی نورانیت میں تمام حدودِ دین کا جامع ہے، لیکن جسمانیت وبشریت کے اعتبار سے وہ حدودِ دین میں سے ایک متوسط حدّ ہے۔

امام علیہ السّلام کا ایک خاص دینی مرتبہ جو ابتدا سے انتہا تک قائم ہے، جس سے اوپر کوئی مرتبہ نہیں "الامر" ہے، یعنی وہ ظاہراً و باطناً امر و فرمان کا مالک ہے۔

اساس

اساس کے معنی ہیں بنیاد، یعنی وہ امام جو کسی ناطق پیغمبر کے دَور کے شروع میں منارۂ امامت اور خانۂ حقیقت کی بنیاد کی حیثیت سے ہوتا ہے۔ چنانچہ آخری ناطق (حضرت محمدؐ) کے دَور کے اساس مولانا علیؑ تھے۔

اساس کو صامت، وزیر، وصی اور وارث جیسے ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ اساس کو صامت اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ احکامِ دین کے ظاہر کے متعلق خاموش رہتا ہے، کیونکہ وہ تو باطن کا مالک ہے اور ظاہر کا مالک ناطق ہے، وہ وزیر اس لئے کہلاتا ہے کہ وہ پیغمبر کے روحانی امور میں شرکت اور معاونت کرتا ہے، وصی اور وارث اس معنی میں ہے کہ رسول ناطق اپنی روحانی خلافت و نیابت کے لئے اُسی کو وصیّت کر کے وارث بنا دیتا ہے۔

اساس کا خاص مرتبہ معجزۂ تاویل ہے جو نسلاً بعد نسل قیامت تک برقرار و باقی ہے۔

ناطق

ناطق کے لفظی معنی ہیں بولنے والا، جس سے مراد ایک ایسا پیغمبر ہے جو آسمانی کتاب اور مخصوص شریعت کا مالک ہو اور اسی سلسلے میں بولتا ہو۔ چنانچہ حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلعم یہ چھے حضرات اپنے اپنے وقت کے ناطق تھے، ناطق کا علمی معجزہ تنزیل ہے، یعنی نزولِ وحی کا مرتبہ۔

خیال

خیال جبرائیل فرشتے کا نام ہے جو وحی کا ابتدائی فرشتہ ہے، اس فرشتے کو خیال اس لئے کہتے ہیں کہ یہ معجزاتی آواز کے علاوہ اکثر تصوّر و خیال کی روشن مثالوں میں وحی لاتا ہے۔

فتح

فتح کا مطلب ہے کھولنا اور غلبہ پانا۔ فتح میکائیل کو کہتے ہیں۔ چنانچہ جب حقیقی مومن حدودِ دین کے معجزات سے گزرتے ہوئے میکائیل کے معجزہ تک پہنچ جاتا ہے تو میکائیل تمام فرشتوں اور روحوں کے لشکر کی مدد سے مومن کے نفس کے ناقابلِ تسخیر قلعے کو ریزہ ریزہ کر کے فتح کر دیتا ہے۔ پھر مومن کے لئے روحانی حقائق و معارف کا دروازہ کھل جاتا ہے، میکائیل فرشتے کا معجزہ قوّتِ فہم کے ذریعے علمی مسائل کی گتھیوں کو سلجھانا ہے۔

جد

اسرافیل کو کہتے ہیں، جد کے لغوی معنی شان بتاتے ہیں، ایسا

یہ فرشتہ صاحبِ صور ہے یعنی نرسنگھا بجانے والا، جو واقعاً ایک عجیب و غریب پُرحکمت بانسری یا ایک معجزانہ شہنائی کے مشابہ کوئی ساز بجا کر نفوسِ خلائق کو فنائیت کا مزہ چکھا دیتا ہے۔ پھر رفتہ رفتہ اسی صور کی معجزانہ آواز سے انہیں زندہ کر دیتا ہے۔ بخدا یہ ایک ایسی زندہ حقیقت ہے، کہ اس کی تعریف و توصیف احاطۂ بیان سے باہر ہے۔

اسرافیل دراصل عشقِ حقیقی کا فرشتہ ہے جس کا معجزہ فنا فی اللہ اور بقا باللہ ہے۔

نفسِ کُلّ

نفسِ کُلّ ایک ہمہ گیر اور ہمہ رس روح ہے جو اس وسیع اور عظیم کائنات کی روحِ اعظم کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی روح تمام انسانی روحوں کا بحرِ محیط ہے۔ اس کے بہت سے نام ہیں، مثلاً حوائے حقیقی، کرسی، لوحِ محفوظ، نفسِ واحدہ، تالی وغیرہ۔

نفسِ کُلّ کا مرتبہ ترکیبِ عالم ہے، یعنی کائنات کی تخلیق اُسی سے ہے اور عالمِ جسمانی میں یہ نورِ مرتضوی ہے۔

عقلِ کُلّ

عقلِ کُلّ سب سے عظیم روح ہے، جو دونوں جہان کی عقلِ کامل اور انسانی عقول کا سرچشمہ ہے۔ اس کو آدمِ حقیقی، عرش، قلمِ الٰہی، عقلِ اوّل اور سابق بھی کہتے ہیں۔ یہ نورِ مصطفویؐ ہے، جبکہ نفسِ کُلّ نورِ مرتضویؑ ہے۔

عقلِ کلّ کا مرتبہ نورانی تائید ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی قدرت و قوّت کی انتہائی معجزانہ مدد و یاری۔

نوٹ :۔ واضح رہے کہ حدودِ دین کا مذکورہ نظام حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے زمانے سے اُٹھایا گیا ہے اور حدودِ دین کے یہ درجات صرف اُس زمانے میں مقرّر ہوتے ہیں جس زمانے میں امامِ زمان علیہ السّلام خود مرتبۂ حُجّت یعنی پیری کے مرتبہ کو اپنے پاس نہیں رکھتے۔ چونکہ حضرت امام آقا سلطان محمد شاہ صلوات اللہ علیہ کے دورِ مقدّس سے مرتبۂ حجت یعنی پیری کا مرتبہ بھی خود امام علیہ السّلام ہی کے پاس ہے اس لئے حدودِ دین کا یہ نظام اس زمانے میں اسماعیلی دعوت میں نہیں پایا جاتا اور جماعتی ادارے جو خدمت انجام دیتے ہیں اور جو درجے ان اداروں میں پائے جاتے ہیں وہ صرف ظاہری اور انتظامی امور کے لحاظ سے ہیں۔

اسلام، دینِ حق، خدا کا قدیم دین

(علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

اہلِ بصیرت و اصحابِ دانش کی فکر و نظر کے سامنے یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے، کہ اسلام یعنی دینِ حق زمانہائے دراز گزر جانے کے بعد پیدا نہیں کیا گیا، بلکہ یہ خدا کا قدیم اور ازلی دین ہے، اور قانونِ الٰہی کی رُو سے اس کا ایسا ہی ہونا ضروری تھا، تاکہ ہر دَور اور ہر زمانے کے لوگوں کو کسی تخصیص و تعمیم اور فرق و امتیاز کے بغیر یکساں طور پر اللہ کا سچّا دین پیش کیا جا سکے، اس کے سوا خدا کی وحدانیّت کا کوئی تصوّر اور دین و ایمان کی کوئی صورت ناممکن تھی، کیونکہ یہی دین اللہ تعالیٰ کے اُس بے مثال مقدس قانون کا درجہ رکھتا ہے، جو قانونِ فطرت کے اسم سے موسوم اور سُنّتِ الٰہیّہ کی حیثیّت سے ہمیشہ موجود ہے۔

یہاں اِس مطلب کو یُوں ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ حقیقی اسلام، قانونِ فطرت، دینِ حق اور خدا کی سُنّت و عادت ایک ہی حقیقت کے مختلف نام ہیں اور یہی حقیقت صراطِ مستقیم یعنی نورِ ہدایت اور منزلِ نجات کا

رستہ ہے۔

ہر دانشمند دیندار اس مفروضہ میں غور و فکر کر کے یہ اندازہ کر سکتا ہے، کہ اگر دینِ اسلام قانونِ قدرت و فطرت اور سُنّتِ الٰہی سے الگ تھلگ کوئی نظام و آئین مقرر ہُوا ہوتا، تو اُس صورت میں ایسے اسلام کی بنیادی اور اصولی تعلیمات قانونِ فطرت اور سُنّتِ الٰہیہ کے خلاف واقع ہوتیں، اور منشاءِ الٰہی سے ان کا تصادم ہوتا رہتا، لیکن ظاہر ہے، کہ اسلام کی اساسی اور حقیقی ہدایتوں میں ایسی کوئی بات پائی نہیں جاتی، جو قانونِ الٰہی کے برعکس قرار پائی ہو، پس معلوم ہوا، کہ سُنّتِ الٰہی دینِ اسلام کا حقیقی اور قدیم نام ہے، جیسے قرآنِ حکیم میں ارشاد ہُوا ہے کہ:۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا ۱۷/۷۷ اُن رسولوں کا دستور (دین) چلا آتا ہے جو ہم نے اپنے پیغمبر تم سے پہلے بھیجے اور ہمارے دستور میں کوئی تبدیلی نہ پاؤ گے۔

قرآنِ پاک کے اس مبارک و مقدّس ارشاد کا لُبِّ لباب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی جانب سے رُشد و ہدایت اور علم و حکمت کی روشن قندیلیں لے کر جتنے انبیاء و اُئمہ علیہم السّلام اس سیارۂ زمین پر تشریف فرما ہوئے ہیں، ان تمام حضرات کا یہی ایک دین و آئین رہا ہے، جو دینِ حق اور دینِ فطرت کہلاتا ہے، جس کی اصولی تعلیمات ہیں بحقیقت

کوئی تبدیلی نہیں پائی جاتی، مگر ہاں اس میں کوئی شک ہی نہیں، کہ اس کی فروعی ہدایات میں رفتہ رفتہ بمقتضائے زمان و مکان ترمیمات اور تبدیلیاں ہوتی چلی آئی ہیں، پس سُنّتِ اللہ اور انبیاء و آئمہ کے دینِ حق میں یہی خاص علامت و نشانی پائی جاتی ہے۔

چنانچہ حق تعالیٰ کا یہ مبارک فرمان ہے کہ:۔

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۲۲/۷۸

(اے گروہِ آئمہ!) اُس نے (یعنی خدا نے) تم کو برگزیدہ فرمایا اور دین میں تم پر کسی قسم کی تنگی نہیں کی جو تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے، اُسی نے تمہارا نام مسلمان رکھا۔ اس آیۂ مقدّسہ کی واضح تعلیم یہ ہے کہ خدا کے یہ برگزیدہ حضرات اُئمۂ اطہار علیہم السّلام ہی ہیں جن کی برگزیدگی کا بیّن ثبوت بھی خود اسی ارشاد میں موجود ہے، کہ خداوند عالم نے دینِ حق کے تمام قدیم و جدید مسائل کا علم لدُنّی اُئمۂ طاہرینؑ کو عطا فرمایا ہے، جس کے ذریعے وہ ہر قسم کی دینی اور دُنیاوی مشکلات میں لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کر سکتے ہیں، اور انہیں کارِ دین میں کوئی رکاوٹ اور کسی قسم کی تنگی پیش نہیں آتی، یہ اختصاص صرف اُئمۂ آلِ محمدؐ ہی کو حاصل ہے اور ان کے سوا کوئی دوسرا انسان یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ وہ دین اور قرآن کی جملہ مشکلات کو حل کر سکتا ہے۔

مذکورۂ بالا حقیقتوں کے علاوہ یہاں یہ بھی ظاہر ہوا، کہ اسلام اور

مسلمان کے یہ نام آج سے نہیں بلکہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السّلام کے زمانے سے ہیں، یہ تو لفظِ اسلام اور مسلمان کی اصطلاح بن جانے کی ابتداء کے بارے میں بات ہوئی، لیکن اسلام کی معنویّت، حقیقت اور روح اس واقعہ سے بہت قدیم ہے جیسا کہ پروردگارِ عالم کا مبارک ارشاد ہے کہ:۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۴۲/۱۳ اس نے (یعنی خدا تے) تمہارے لئے دین میں وہی راہ مقرّر کردی جس کا حکم نوح کو کیا تھا اور جس کو ہم نے آپ کے پاس بذریعۂ وحی بھیجا ہے اور جس کا ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو حکم دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا۔

آیۂ مذکورۂ بالا صاف اور واضح الفاظ میں فرما رہی ہے کہ حضور اکرم صلعم کا لایا ہوا دین اور شریعت وہی ہے، جس کا حکم انبیائے سلف کو دیا گیا تھا، اور جس پر اُن پیغمبروں نے عمل کیا تھا، اگرچہ اس میں سطحی طور پر ترمیم و تجدید ہوتی رہی ہے، لیکن دین کے اصولات، حقیقت، اصلیت، روح اور مقصد وہی ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی اور نہ ہی آئندہ ہوگی۔

پروردگارِ عالم کا ارشاد ہے کہ:۔

وَاِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ ۲۶/۱۹۶ اور وہ (یعنی قرآن) سابقہ اُمتوں کی کتابوں میں بھی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا، کہ اُن تمام آسمانی کُتب اور صحائف میں، جو سرورِ کائنات صلعم سے اگلے پیغمبروں کو دیئے گئے تھے، قرآنِ حکیم کی وہ مختلف تدریجی ہدایات و تعلیمات تھیں جو گزشتہ ادوار کے لوگوں کی ضرورت کے مطابق پیش کی گئی تھیں، پھر یہاں اس حقیقت کے لئے اقرار کے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں، کہ قرآنِ حکیم اپنے تنزیلی، تاویلی، ظاہری اور باطنی معنوں میں نہ صرف ایسی ہدایات کا بے پایان خزانہ ہے، جو گزشتہ زمانوں کے بارے میں ہیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ اس میں ایسی تدریجی اور ارتقائی تعلیمات کی بھی فراوانی ہے، جو موجودہ اور آئندہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے تقاضوں کو پورا کرسکتی ہیں، اور دینِ اسلام کی تدریجی ہدایات کا ایک قابلِ فہم ثبوت صراطِ مستقیم کا تصوّر ہے جس میں یہ تعلیم رکھی ہوئی ہے کہ ہمیں قدم بقدم اور منزل بمنزل خدا کے قرب وحضور کی طرف رواں دواں ہونا چاہئے، اور راہِ حق کا یہ سفر شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی چار منزلوں کے درمیان ہے۔

سطورِ بالا سے اس امر کی صراحت ہو گئی، کہ پیغمبرِ آخرِ زمان صلعم کا دین خدائے واحد کا قدیم دین ہے، اور نبوّت و امامت کے ذریعہ اسی دین کی دعوت و ہدایت ہوتی رہی ہے، اس دین کے اصولات ہمیشہ اٹل اور بے بدل ہیں، مگر فروعات میں احوالِ زمانہ کی ضرورت کے مطابق مناسب ترمیم و تجدید ہوتی چلی آئی ہے تاکہ وقت اور جگہ کے فرق

وتفاوت کے بغیر ہر زمانے میں بندگانِ خدا دنیوی اور اُخروی ہدایتیں اور رحمتیں حاصل کر سکیں چنانچہ اس باب میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا مقدس فرمان ہے کہ:-

کَانَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً (۲/۲۱۳) سب آدمی ایک ہی اُمّت تھے۔ یعنی یہ نہ صرف حضرت آدمؑ سے پہلے والوں کی بات ہے بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ابتداء سے لے کر انتہا تک جتنے لوگ دنیا میں پیدا ہونے والے تھے، وہ سب کے سب دعوت ونصیحت کے امتحان سے قبل خدا کی نظر میں ایک ہی اُمّت تھے، اور قانونِ عدل و انصاف کی رُو سے انہیں یکساں طور پر آسمانی رشد و ہدایت کی ضرورت وحاجت تھی۔ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو بھیجا جو خوشی سناتے تھے اور ڈراتے تھے۔ وَاَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ (۲/۲۱۳) اور ان کے ساتھ حقانیت سے کتاب نازل فرمائی! اس مقام پر یہ حقیقت صاف صاف ظاہر ہوئی، کہ اگر لوگوں سے دین ومذہب کی قبولیت و نا قبولیت اُٹھالی جائے، تو اوّلین و آخرین سب لوگ ایک ہی امت ہیں، انبیاء وائمہ علیہم الصّلوات والسّلام دعوتِ حق کی ایک ہی جماعت ہیں، اور ان کے آسمانی کتب وصحائف ایک ہی کتاب کی حیثیت سے ہیں پس اگر ہم یہ مانیں کہ سچا دین بدرجۂ سُنّتِ خدا سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات میں موجود تھا، تو ہرگز غلط نہیں، اور اسی دین کی طرف

بلائے جانے کے لئے سب لوگ پیدا کیے گئے، اور جس کی ہدایت و تعلیم دینے کی غرض سے انبیاء و ائمہ علیہم السّلام مقرر ہوئے، ان تمام ہادیانِ راہِ حق نے ربّ العزّت کی اُس ہمہ گیر کتاب کے ظاہر و باطن سے لوگوں کی ہدایت و رہنمائی کی جو تمام اُمّتوں میں مشترک تھی، اور دنیا کسی وقت بھی اللہ کے اِس سلسلۂ ہدایت سے بے نیاز نہیں ہو سکتی ہے۔

قرآنِ حکیم کے اشارات، معتبر روایات، عقلی دلائل اور سائنسی انکشافات کی روشنی میں دیکھنے سے ہمیں یہ یقین آتا ہے، کہ اس وسیع و عریض کائنات کے مختلف سیّاروں میں اور خود اس سیّارۂ زمین پر لاتعداد آدم ہو گزرے ہیں، اور قانونِ حکمت کہتا ہے کہ ان تمام آدموں اور ان سب کی نسلوں کو خدائے یکتا کا ایک ہی دین پیش کیا گیا تھا، جو دینِ حق تھا، اور جس کا مرکزی نام آج اسلام ہے، جو اللہ کی سُنّت اور دینِ فطرت کے مرتبے میں ہے، پس یہی سبب ہے جو حق تعالیٰ کا ارشاد ہُوا ہے کہ:۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا:[۳۰] یعنی اللہ تعالیٰ کی فطرت وہی ہے جس کے موافق اُس نے لوگوں کو پیدا کیا۔ یاد رہے کہ فطرت کے معنوں میں سے ایک معنی دینِ اسلام کے ہیں۔

اِس موضوع کے سلسلے میں یہاں تک جو کچھ بیان ہو چکا، اُس کا خلاصۂ مطلب یہ ہے کہ ازل سے ابد تک دینِ حق ایک ہی ہے، جس کی

طرف مجملہ پیغمبروں اور اماموں نے اپنے اپنے وقت کے لوگوں کو واجبی طور پر دعوت دی ہے، اور یہ حضرات امرِ دعوت کے مقصدِ اعلیٰ میں نفسِ واحدہ کی طرح یک زبان اور متحد تھے، ان کامل انسانوں نے جنہیں خدائے برتر نے ہر لحاظ سے برگزیدہ فرمایا تھا، اپنے اپنے وقت کے تقاضے کے مطابق دنیا والوں کے سامنے جس شان سے دینِ حق کی ہدایات وتعلیمات پیش کی ہیں، اس میں کوئی کمی نہ رہی ہے، اور یہ رہنما سلسلہ جو نبوّت کے بعد امامت کی صورت میں چل رہا ہے، تا قیامِ قیامت جاری و باقی رہے گا، اور زمانہ جیسے بھی نت نئے مشکلات و مسائل پیدا کرتے گزر جائے، اُن سب کا حل اسی مبارک و مقدّس سلسلے کے امامِ حیّ و حاضر کی تازہ ترین ہدایات وفرامین کے ذریعے سے ہوتا رہے گا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

سوینئیر ۱۹۷۴ میلادالنبی نمبر

حکمتِ عددی

چالیس (۴۰)

حقیقی مومن کو اس امرِ واقعی میں کوئی شک نہ ہوگا، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے مقدّس ارشاد " وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنَاهُ فِيْ اِمَامٍ مُّبِيْنٍ "۔ کے بموجب کائنات وموجودات کی ہر چیز کو رشتۂ قدرت وحکمت میں پرو کر امام اطہر علیہ السّلام کی ذاتِ والاصفات سے وابستہ کردیا ہے۔ تمام اشیائے ظاہری کی ارواحِ لطیفہ اور اسرارِ بدیعہ کو مرتبۂ امامت میں سمویا ہے، اور کون ومکان کی وسعتوں کو اسی مظہرِ صفاتِ قدسیہ کی نورانیت کے بے پایان سمندر میں مستغرق کئے رکھا ہے، پس جاننا چاہئے کہ عالمِ ہست وبود کے ظاہر وباطن میں کوئی چیز ایسی نہیں، جو زبانِ حکمت سے اس حقیقت کی شہادت نہ دیتی ہو، کہ امامِ برحقؑ دنیا میں ہمیشہ کے لئے حیّ وحاضر ہیں، چنانچہ ہم یہاں نورِ الٰہی کی توفیق سے چالیس۴۰ کی حکمتِ عددی میں سے کچھ بیان

کر دیتے ہیں۔

خدائے علیم و حکیم نے حضرت محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو چالیس برس مکمل ہونے کے بعد نبوّت و رسالت کے مرتبۂ عالی سے نوازا، اگرچہ حضور اکرمؐ بچپن ہی سے انتہائی پاک و پاکیزہ اخلاق کے مالک تھے، اور آپ کو حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی طرح ابتدائی عمر میں درجۂ پیغمبری کی موہبت و عنایت ممکن تھی، لیکن اس امرِ عظیم کے لئے چالیس سال کی شرط محض اسی لئے لازمی ہوئی کہ نبوّت و امامت کا ایک مخصوص عدد چالیسؑ ہے، پس معلوم ہوا کہ چالیسؑ کا عدد پیغمبر اور امام علیہما السّلام کا خاص مرتبہ ہے۔

حضرت پیر ناصر خسروؑ کی مشہور کتاب وجہ دین کے تیسویں کلام میں ہے کہ:۔

حدودِ دین کا مجموعہ بھی چالیس ہے، یعنی پانچ روحانی حدود (عقلِ کُلّ، نفسِ کُلّ، جد، فتح، خیال) ناطق، اساس، سات امام، دن رات کے چوبیس حجّت، اور داعی و ماذون (۵+۲+۷+۲۴+۲ = ۴۰) پس یہی عدد یعنی چالیس پیغمبرؐ اور امامؑ کا بھی ہے، کیونکہ نبوّت و امامت کا نور ایک ہی ہے اور اُس پاک نور میں جملہ حدودِ دین مجموع ہیں۔

سورۂ احقاف کی پندرھویں آیت کے مفہوم میں حیاتِ بشری کے مراحل کے بارے میں یہ اصول بتایا گیا ہے، کہ اکثر انسانی سمجھ بوجھ کی تکمیل اور عقل و شعور کی پختگی چالیس برس کے بعد ہوتی ہے، ایک

نیکو کار اور دور اندیش انسان عمر کی اس حد میں پہنچ کر اپنے پروردگار سے اس بات کی توفیق طلب کرتا ہے، کہ وہ اپنی زندگی میں بڑے پیمانے پر اخلاقی اور روحانی انقلاب لاسکے۔ پس جاننا چاہیئے کہ انسانی عمر میں چالیس کے عدد کی یہ اہمیت اس حقیقت کے پیشِ نظر ہے کہ چالیس کے عدد کی حکمت کا تعلق نورِ محمد و علی علیہما السلام سے ہے۔

حدیث میں ہے، کہ دستِ قدرت نے حضرت آدم علیہ السلام کے قالب کا گارا چالیس صبحوں میں گوندھ کر تیار کیا، یعنی ہر صبح نورانیت کے وقت آدمؑ کے جسمانی وجود کا خمیر تیار ہوتا رہا۔ اس کی تاویل یہ ہے کہ آدم صفی اللہؑ کی اعلیٰ روحانی ہستی چالیسؑ صبحوں کی عارفانہ عبادت سے مکمل ہوئی تھی، کیونکہ چالیس کے عدد کی تاویل میں نبوّت و امامت کے اسرارِ معرفت پنہاں ہیں۔

قرآن پاک کے قولِ حکمت آگین سے ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر جس اعتکاف کے لئے گئے تھے، اس کی مدّت چالیس راتوں کی تھی، تاکہ حضرت موسیٰؑ اس اعلیٰ ترین اعتکاف کے ذریعہ اپنے رب کے زیادہ سے زیادہ نزدیک ہوسکیں۔ جس کا تاویلی اشارہ یہ ہے، کہ نورِ نبوّت و امامت کی معرفت کے بغیر، جو چالیسؑ حدودِ دین کا مرکز ہے، روحانیت کے مراحل طے نہیں ہو سکتے۔

فریضۂ جہاد ترک کرنے کی سزا میں بنی اسرائیل کو ارضِ مقدّس (ملکِ شام) سے چالیس سال تک محروم کر دیا گیا۔ اور انہیں اس عرصے

میں وادیٔ تیہ میں محدود ہو کر سرگردان ہونا پڑا، اس کی تاویل بھی یہی ہے کہ انہوں نے اپنے پیغمبر اور امامِ وقت کی نافرمانی کی تھی، جن کا نشان چالیس تھا، لہٰذا انہیں چالیس سال کی سزا ملی تاکہ غور و فکر کرنے والے اس حکمت کو سمجھ سکیں۔

جملِ کبیر کے سلسلے میں چالیس۴۰ کے عدد کا حرف "میم" ہے اور میم عربی میں ایک ایسا انتہائی عجیب حرف ہے کہ اس کے اسماء و الفاظ کے شروع میں داخل ہونے سے طرح طرح کے معنوں کا تعین ہوتا ہے، اور اُن سب میں اسرارِ امامت پوشیدہ ہوتے ہیں، مثلاً اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک اسم جو علمِ الٰہی سے متعلق ہے، علیم ہے یا علاّم یا اعلم ہے یا الاعلم ہے۔ یہ ظاہری بات ہوئی، مگر حقیقت میں اس سلسلے کا سب سے بڑا نام معلم یا کہ المعلّم ہے، جس میں حرف میم ہے، جس کی بزرگی کی دلیل یہ ہے کہ کسی ہستی کے علم و دانش رکھنے میں اتنی فضیلت نہیں جتنی کہ علم سکھانے کی فضیلت ہے، چنانچہ وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (اور خُدا نے آدم کو تمام اسماء کی حقیقت سکھائی) سے ثابت ہے کہ خُداوند عالم خود ہی آدمِ صفی کا معلّم تھا، اس بیان سے نہ صرف یہی حقیقت واضح و روشن ہو گئی کہ حرف میم میں معنویت و حقیقت کی انتہائی بلندی ہے۔ بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی معلوم ہوا، کہ علم الاسماء میں تمام حقائق و معارف کے خزانے موجود ہیں۔ اس بیان میں حقیقی اور دانشمند مومنین کے لئے بہت کچھ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نور ہی ہر زمانے میں ظاہراً

وباطناً صحیح معنوں میں معلّم ورہنما ہے، اور یہی نور یعنی امام زمانؑ قادر مطلق کا اسم اعظم ہیں۔

خوب جاننا چاہئے کہ چالیس کے عدد کا جملِ اصغر ۴ ہے، اور محمّد و علی صلوات اللہ علیہما کے مبارک ومقدّس اسموں کا جملِ اصغر بھی ۴ ہے۔ یہ اس طرح سے ہے: ۴۰ = ۰+۴ برابر ہے ۴ جواب، اب محمّدؐ و علیؑ کے مبارک ناموں کا بسطِ حرفی ملاحظہ ہو = م ح م د ع ل ی۔ ان پاکیزہ حروف کے اعداد اور ان کا مجموعہ یہ ہیں = ۴۰+۸+۴۰+۴+۷۰+۳۰+۱۰ برابر ہے ۲۰۲، دوسو دو کا جملِ اصغر یہ ہے = ۲+۰+۲ برابر ہے ۴ جواب۔

مذکورہ بالا تمام حکمتوں اور تاویلات کا خلاصہ یہ ہے کہ چالیس کے عدد میں محمّدؐ و علیؑ کے نورِ واحد کے حقائق ومعارف کا ایک بے پایان خزانہ پوشیدہ ہے اس گنجینۂ علم وحکمت کے اسرار میں سے یہ بھی ہے کہ نور اصل میں ایک ہی ہے جو کبھی خدا سے، کبھی رسولؐ سے اور کبھی امامؑ سے منسوب کیا جاتا ہے، اور حقیقت بس یہی ہے کہ اس پاک نور میں وحدانیت کی صفت ہے، یہ نور جو کائنات وموجودات کی تمام روحوں کی روح اور ساری عقول کی عقل بھی ہے اس وقت امام زمان علیہ السلام کی ذاتِ اقدس سے طلوع ہو کر عالمِ دین کو منوّر کر رہا ہے۔

قرآن اور حقیقتِ شیعیّت

(از قلم علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

ہم یہاں سب سے پہلے حقیقتِ شیعیّت کے بارے میں اپنے خیالات عرض کرتے ہیں، تاکہ یہ ظاہر ہو، کہ یہ موضوع دراصل کہاں کہاں سے کہاں تک پھیلا ہُوا ہے، اور اس کے آغاز و انجام کی حقیقت کیا ہے، وغیرہ۔

چنانچہ "حقیقتِ شیعیّت" سے شیعانِ علی کے نظریئے کی اصلیت اور واقعیّت مراد ہے، اور وہ حضرت مولانا مرتضےٰ علی اور ان کی آلِ اطہار علیہم السّلام کی ولایت و امامت ہے، کیونکہ شیعی کے اصطلاحی معنی سے وہ شخص مراد ہے، جو مولانا مرتضےٰ علی اور ان کی پاک ذرّیت علیہم السّلام کو آنحضرتؐ کے حقیقی جانشین مانتا ہے، اور شیعیّت

کا مطلب یہاں اس نظریئے کی اصلیّت اور واقعیّت ہے۔

پس اگر ہم حقیقتِ شیعیّت کو خدا اور اس کے رسولِ برحقؐ کے ارشادات کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں، تو لازمی ہے کہ ہم اُن تمام آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی کا غور سے مطالعہ کریں جو حضرت امیرالمومنین علی اور ان کی پاک ذرّیت علیہم السّلام کی ولایت و امامت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔

اگر ہم حقیقتِ شیعیّت کو عملی طور پر خود اسماعیلی مذہب میں دیکھنا چاہتے ہیں، تو ضروری ہے، کہ ہم اپنے ائمۂ برحق کے فرامین اور بزرگانِ دین کے علمی آثار کا گہرا مطالعہ کریں، کیونکہ شیعیّت کی اصلی صورت اسماعیلیت ہی ہے، اس لئے کہ علیؑ کا نور درحقیقت اسی مذہب میں حاضر اور موجود ہے۔

اگر ہم حقیقتِ شیعیّت کو تاریخی نقطۂ نگاہ سے دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں اسماعیلی مذہب اور اس کے اماموں کی تواریخ پڑھنی چاہیئے، کیونکہ شیعانِ علی کا اصلی نظریّہ اور تصوّر صرف اسماعیلی مذہب ہی میں برقرار و باقی ہے، وہ یہ ہے کہ رسولِ اکرمؐ کے بعد ان کی پاک آل سے ہمیشہ کے لئے زندہ امام حاضر اور موجود ہونا چاہیئے۔

اگر حقیقتِ شیعیّت کی کچھ مثالیں کسی دوسرے مذہب سے لینی ہوں تو اس کے لئے بہتر یہ ہے، کہ وہ مثالیں تصوّف سے لی جائیں، اس لئے کہ صرف تصوّف ہی ایک ایسا مذہب ہے، کہ جس کی کسی حد تک

حقیقتِ شیعیّت کے ساتھ ہم آہنگی ہوسکتی ہے۔ مثلاً تصوّف کا یہ بنیادی عقیدہ، کہ پیرو مُرشد کی تابعداری کے بغیر کوئی مرید منزلِ طریقت میں نہیں پہنچ سکتا، جس طرح شیعیت کی اصل الاصول ہے، کہ امام زمان کی فرمانبرداری کے بغیر کوئی مومن منزلِ حقیقت میں داخل نہیں ہوسکتا۔

اگر حقیقتِ شیعیّت دل کی آنکھ سے دیکھنا ہو تو مومن کو اپنی ذات کی معرفت حاصل کرنی پڑے گی، چونکہ دینِ حق کا روحانی مشاہدہ اور خدا کی پہچان انسان کے اپنے آپ کی شناخت کا نتیجہ ہے، اور ہمارے دینی بزرگوں کو اس مذہب کی تحقیق کے بارے میں جو یقینِ کامل حاصل ہوا، وہ ان کی اپنی ذات کی معرفت کے ذریعے سے میّسر ہوا تھا۔

اگر ہم اِس حقیقت کو عقلی دلائل کی روشنی میں دیکھنا چاہتے ہیں، تو قانونِ فطرت کی شہادتوں سے کام لینا ہو گا، جو آفاق و انفس کی تخلیق میں موجود ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "سنریھم ایٰتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتّٰی یتبیّن لھم انّہ الحق ۴۱/۵۳ ہم اُن کو اِس عالم میں اور خود ان کی جانوں میں اپنے نشانات دکھاتے رہیں گے، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے، کہ وہ حق ہے۔"

اگر عصرِ حاضر کے بعض ترقّی پسند علمی اداروں کو خصوصیّت سے حقیقتِ شیعیّت پر ریسرچ کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو، تو وہ اس

حیرت انگیز واقعہ کی بنا پر ہوگی، کہ دنیا کا کوئی مذہب اور اسلام کا کوئی فرقہ اپنے ابتدائی اور اصلی نظریات پر قائم نہیں رہ سکا، سوائے شیعہ مذہب کی ایک شاخ کے، جو نزاری اسماعیلیت ہے، جس کا نظریّہ اب بھی وہی ہے، جو رسول اکرمؐ کے فوراً بعد قائم کیا گیا تھا، وہ یہ کہ آلِ محمدؐ وادلادِ علی علیہم السّلام سے ہمیشہ کے لئے زندہ اور حاضر امام موجود ہونا چاہئے، تاکہ اس سے دینی اور دنیاوی ہدایت حاصل کی جاسکے۔

اس کے علاوہ ان علمی اداروں کو شیعیّت کے متعلق تحقیق کرنے کا احساس اس لئے ہوا ہوگا، کہ خدا کا آخری دین اسلام ہے، اور اسلام کی ایک مثالی شاخ شیعیّت ہے، جس کے عقائد و نظریات کا خلاصہ یہ ہے، کہ خدا اور رسولؐ کی طرف سے دنیا میں ہمیشہ کے لئے انسانی وحدت اور حصولِ کمالیّت کا مرکز قائم ہے، وہ قدرتی مرکز امام زمانؑ ہیں، جن پر اگر سب دنیا والے متفق و متّحد ہو جائیں، تو روحانی ترقّی اور عالمی امن کا دور دَورہ ہو سکتا ہے۔

جیسا کہ اس بیان کے شروع میں اشارہ کیا گیا، کہ حقیقتِ شیعیّت سب سے پہلے قرآن اور حدیث سے واضح ہو جاتی ہے، اب ہم یہاں اس کی ایک مثال عرض کرتے ہیں، کہ ارجح المطالب باب دوم، ص ۵۶ پر ابو بکر ابنِ مردویہ کے حوالے سے مولانا علی علیہ السّلام کا یہ کلام درج ہے:

"نَزَلَ الْقُرْآنُ اَرْبَاعًا فَرُبْعٌ فِیْنَا وَ رُبْعٌ فِیْ عَدُوِّنَا وَ رُبْعٌ سِیَرٌ وَّ اَمْثَالٌ وَ رُبْعٌ فَرَائِضُ وَّ اَحْکَامٌ وَلَنَا کَرَائِمُ الْقُرْآنِ۔

قرآن مجید چار حصّوں میں نازل ہوا ہے، پس اس کی ایک چوتھائی ہماری شان میں ہے۔ ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے، ایک چوتھائی میں قصّے اور مثالیں ہیں اور ایک چوتھائی میں فرائض و احکام ہیں اور قرآن مجید کی بزرگ آیتیں ہماری شان میں ہیں۔"

کیا مولانا علیؑ کے اس پُر حکمت کلام کے ظاہری معنی کے اعتبار سے ہم صرف یہی مان بیٹھیں، کہ قرآن مجید کی ایک چوتھائی مولائی نامدار کی شان میں ہے اور بس، یا اس قول کی حکمت کو منکشف کرنے کی جسارت کریں؟ آپ ضرور اس پر متفق ہوں گے، کہ مومنین کی روحانی ترقی کا انحصار اس امر پر ہے، کہ وہ حصولِ حکمت کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کریں، پس مولا کے مذکورہ کلام کی حکمت سُن لیجئے، کہ یہ تو صاف ظاہر ہی ہے، کہ قرآن مجید کی ایک چوتھائی مولا کی شان میں ہے، مگر سوال اس بارے میں پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کا جو حصّہ علیؑ کے دشمنوں کے بارے میں ہے، وہ کس صورت میں ہے؟ کیا اس حصّے میں کھلم کھلا علیؑ کے دشمنوں کی مذمت کی گئی ہے؟ نہیں نہیں، قرآن کا وہ حصّہ اس طرح سے نہیں، لہٰذا ہمیں حدیث نبویؐ کی مدد سے اس مسئلہ کا حل نکالنا پڑے گا، وہ یہ ہے، کہ آنحضرت نے آخری حج کے موقع پر مولانا علیؑ کے حق میں بطور دُعا فرمایا:-

"اَللّٰهُمَّ وَالِ مَنْ وَالَاهُ وَعَادِ مَنْ عَادَاهُ = اے میرے

پروردگار! آپ اُس شخص کو دوست رکھئے جو علیؑ کو دوست رکھے اور اُس شخص کو دشمن رکھئے جو علیؑ کو دشمن رکھے"۔

پس معلوم ہُوا، کہ قرآن پاک میں خدا کے جن دشمنوں کا ذکر آیا ہے، وہ درحقیقت وہی لوگ ہیں، جن کی علیؑ سے دشمنی ہے، اس کا نتیجہ یہ نکلا، کہ اسی طرح حکمت کے اصول میں قرآن کی دوسری چوتھائی بھی مولا کی شان میں ہے، کیونکہ انہی کی وجہ سے ان کے دشمنوں کی مذمّت کی گئی ہے۔

اب قرآن کی تیسری چوتھائی کے بارے میں سُنیئے، جس میں قصّے اور مثالیں بیان کی گئی ہیں، سو قصّوں کے متعلق یہ ہے، کہ وہ اکثر قرآنی قصّے پیغمبروں کے بارے میں ہیں، اور اس کے علاوہ جو قصّے ہیں، وہ بھی دراصل ایسے لوگوں کے بارے میں ہیں، جو پیغمبروں کی فرمان برداری کرتے تھے، یا اُن لوگوں کے بارے میں ہیں، جو پیغمبروں کی نافرمانی کرتے تھے، پس قرآن کے تمام قصّوں کے مرجع انبیاء علیہ السّلام ہوئے، اور یہ ایک مشہور حدیث ہے، جو آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا :۔

"یَا عَلِیُ کُنۡتَ مَعَ الۡاَنۡبِیَاءِ سِرًّا وَّ مَعِیَ جَھۡرًا =

اے علی آپ تمام پیغمبروں کے ساتھ پوشیدہ طور پر موجود تھے اور اور میرے ساتھ آپ آشکار ہیں"۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ علیؑ نہ صرف سب پیغمبروں کے مرجع ہیں۔ بلکہ ان سے متعلق تمام قصّوں کے بھی مرجع ہیں۔

اب ہم قرآنی مثالوں کے بارے میں عرض کرنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے، کہ قرآن مجید کی بعض مثالیں مثبت پہلو سے اور بعض مثالیں منفی پہلو سے حقیقت الحقائق کے تمام درجات کی حکمت بیان کرتی ہیں چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: "بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ" ۲۱/۱۸ بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں، پس وہ (حق) اس (باطل) کا بھیجا نکال دیتا ہے، سو وہ دفعتاً جانے والا ہوتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے نہ صرف یہی معلوم ہوا، کہ قرآن کے خاص خاص حقائق مثالوں میں بیان کئے گئے ہیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ظاہر ہوا، کہ حق و باطل کا آخری فیصلہ بھی انہی مثالوں میں موجود ہے، یہی وجہ ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ: "اَلْحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ۔ یعنی حق علی ہی کے ساتھ ہے"۔ جب یہ معلوم ہوا کہ حق اور حقیقت علیؑ ہی کے ساتھ ہے، اور حقیقتیں قرآن کی مثالوں میں بیان کی گئی ہیں، تو ظاہر ہے کہ قرآن کا وہ حصّہ بھی علیؑ ہی کی شان میں ہے، جس میں حقیقت الحقائق کے درجات کی مثالیں ہیں۔

اب رہی قرآن کی آخری چوتھائی، جس میں فرائض اور احکام مذکور ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ فرائض اور احکام کی بجا آوری خدا کی اطاعت کہلاتی ہے، مگر خدا کی یہ اطاعت رسول اور اولوالامر (یعنی آئمۂ برحق) کے وسیلے سے کی جاسکتی ہے، کیونکہ یہی

حضرات ہیں، جو خدا کے فرمائے ہوئے فرائض و احکام کی تفصیلات لوگوں کو زمان و مکان کے تقاضے کے مطابق بتایا کرتے ہیں، جیسا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے: "یا ایہا الذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ۴/۵۹ اے ایمان والو! تم اللہ کی فرمان برداری کرو، اور رسول کی فرمان برداری کرو اور اولوالامر کی فرمان برداری کرو جو تم میں سے ہیں"۔

جب یہ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے اُس حصّے میں بھی مولانا علیؑ کا ذکرِ جمیل موجود ہے جس میں فرائض و احکام مذکور ہیں، تو اب ہم عرض کر سکتے ہیں، کہ قرآن کی کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں کسی نہ کسی طرح سے علیؑ یعنی نورِ امامت کا تذکرہ نہ کیا گیا ہو، پس یہی ہے حقیقتِ شیعیّت کا موضوع اور قرآن و حدیث سے اس کا تعلق جو بیان کیا گیا۔ الحمد للّٰہ رب العالمین۔

بموقع نوروز، ۲۱ مارچ ۱۹۶۸ء

الٰہی شناخت

سیدنا ناصرِ خسرو قدس کی تصنیف "روشنائی نامہ" سے چند منتخب اشعار
ترجمہ وتشریح : علاّمہ نصیرالدّین نصیرؔ ہونزائی۔

بنامِ آنکہ دارای جہان است
خُداوندِ تن وعقل وروان است

ترجمہ:۔ اُس (خُدا) کے نام سے (آغاز کرتا ہُوں) جو کائنات کا نگہبان ہے، اور جسم وجان اور عقل کا مالک ہے۔

تشریح:۔ حضرت ناصرِ خسرو قدس اللہ سرّہٗ، حکمت کی زبان میں فرماتے ہیں، کہ اگرچہ عام اعتقاد کے مطابق حق تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان اور مالک ہے، لیکن حقیقت میں اس کی صفاتِ عالیہ کے فیوض وبرکات سے تمام مخلوقات یکسان طور پر مستفیض نہیں ہوسکتیں، بلکہ وہ حسبِ مراتب فیضیاب ہوتی رہتی ہیں۔ نگہبانی اور محافظت کی جانے والی مخلوق کے

لئے یہ قید و شرط ضروری نہیں، کہ وہ اپنے نگہبان اور محافظ کو پہچانے اور اس کی فرمان برداری کرے، مگر مملوک ہونے کے لئے یہ شرط لازمی اور ضروری ہے کہ اپنے مالک کو پہچان لیا جائے اور اس کی فرمان برداری کی جائے۔

خرد ز ادراک او حیوان بمانده
دل و جان در رہش بی جان بمانده

ترجمہ:۔ عقل و دانش اس کے پانے سے (قاصر ہو کر) حیران رہ گئی ہے، دل اور جان اس کی راہِ طلب میں بے دم اور پژمردہ ہو گئے ہیں۔

تشریح:۔ یہاں اس آیۂ کریمہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (۶: ۱۰۳)، اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا لیتا ہے۔ یہاں آنکھوں سے انسانی عقل و روح کی قوتیں مراد ہیں، پس معلوم ہوا کہ عقل و روح کی قوتیں خدا کو نہیں پا سکتیں، لیکن خدا خود ان قوتوں کو پا لیتا ہے، جس کی مثال سورج کی طرح ہے، کہ حقیقت میں ہماری آنکھیں کروڑوں میل کی مسافت سے گزر کر سورج کو نہیں دیکھ سکتیں، بلکہ سورج خود بخود ہماری آنکھوں میں آجاتا ہے، یہاں سوچنے اور تجربہ کرنے کی ضرورت ہے۔

بہر وصفی کہ گویم زان فزون است
ز ہر شرحی کہ من دانم بروں است

ترجمہ:۔ میں جیسے بھی اس کی تعریف و توصیف کروں وہ اس سے بڑھ کر ہے، ہر اُس تشریح سے، جو میں جانتا ہوں وہ بالا و برتر ہے۔

تشریح:۔ حکیم صاحب کا یہ شعر اس قرآنی تعلیم کے مطابق ہے: سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ ۳۷/۱۸۰ آپ کا پروردگار جو عزّت کا پروردگار ہے ان باتوں سے پاک ہے جو یہ بیان کرتے ہیں "رَبِّ الۡعِزَّۃ" کے معنی ہیں عزّت کے کُل تقاضوں کو پُورا کرنے والا، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ عزّت کو انسانی صُورت میں پیدا کرتا ہے، پھر اس کی پرورش کرتا ہے اور آگے سے آگے بڑھا دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ مجسّمہ عزّت انتہا کو پہنچتی ہے، پس تعریف و توصیف ذی عزّت کی ہے اور حق تعالیٰ تعریف و توصیف سے پاک و برتر ہے۔

بسی گفتند و می گویند ازین حال
ندانم تا کرا روشن شُد احوال

ترجمہ:۔ بہت سے مدّعیوں نے اس حال کے بارے میں قیل و قال کی ہے، اور کر رہے ہیں، میں نہیں سمجھتا کہ ان میں سے کس پر حالات (حقائق) روشن ہوئے۔

تشریح:۔ سیّد ناناصر خسرو کا یہ قول اُن لوگوں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ وسیلہ اور واسطہ چھوڑ کر کسی غلط طریقے

سے خُداشناسی کے مُدّعی ہُوا کرتے ہیں اور اپنے گمان کے مطابق خُدا کی حقیقت کے بارے میں قیل و قال کرتے رہتے ہیں، حالانکہ یہ ان کی ایک ناکام کوشش ہے۔

ہزاران سال اگر گویند و پویند
در آخر رُخ بخونِ دیدہ شویند

ترجمہ:۔ اگر وہ ہزاروں سال اسی طرح قیل و قال کرتے چلے جائیں پھر بھی آخر کار وہ (ناکام ہو کر) خُون کے آنسوؤں سے اپنا چہرہ دھولیں گے۔

تشریح:۔ فرماتے ہیں کہ خدا کی حقیقت سمجھنے کے لئے جن لوگوں کا نظریہ صحیح نہ ہو، تو وہ خواہ ہزاروں سال اپنے قول و عمل سے کوشش کیوں نہ کرے، یہ سب کچھ بے سُود اور لاحاصل ہے۔

چنین گفتند کہ رو بشناس خود را
طریقِ کفر و دین و نیک و بد را

ترجمہ:۔ اُنہوں (یعنی پیغمبر اور امام علیہما السّلام) نے یوُں فرمایا کہ جا تُو اپنے آپ کو پہچان لیا کرو، کفر و دین اور نیک و بد کا طریقہ سمجھنے کے لئے۔

تشریح:۔ یہاں اس طرف اشارہ ہے:

"مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ"، نیز "اَعْرَفُکُمْ بِنَفْسِهٖ اَعْرَفُکُمْ بِرَبِّهٖ"، کی طرف ہے، یعنی جس شخص نے

اپنے آپ کو پہچان لیا پس تحقیق اُس نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا۔ جو شخص تم میں سب سے زیادہ خودشناس ہو وہی شخص تم میں سب سے زیادہ خداشناس ہے۔

پس اسی خودشناسی کے سلسلے میں دین و کفر اور نیک و بد کا تمام علم آجاتا ہے، جیسا کہ قرآن پاک کی تعلیمات سے بھی ظاہر ہے کہ خیر و شر کے دونوں راستے واضح کئے ہوئے ہیں، تا کہ نتیجے کے طور پر خُدا کی طرف رجُوع ہو[1]۔

کزین رہ سوی یزدان است راہت
ترا بس باشد این معنی گواہت

ترجمہ:۔ کیونکہ اِسی (ذاتی معرفت کی) راہ سے تجھے خُدا کی طرف راستہ میسر ہے، اور یہی حقیقت تیرے لئے بطورِ گواہ کافی ہے۔

تشریح:۔ موصوف حکیم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی خودشناسی کا نتیجہ ہی خُداشناسی ہے، اور یہ ایک ایسی جامع حقیقت ہے کہ تمام حقائق اسی میں سموئے ہوئے ہیں، پس ہر حقیقت کے لئے اسی سے استشہاد کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ خُدا کی حکمتوں کی جیتی جاگتی نشانیاں صرف انسانی نفوس ہی میں پوشیدہ ہیں، جیسا کہ قرآنِ پاک کا قول ہے:

---

[1] ۲۱/۳۵ ، ۷۶/۳ ، ۹۰/۱۰ وغیرہ

وَفِيْ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۵۱/۲۱

اور تمہارے نفسوں میں بھی (نشانیاں یعنی معجزات) ہیں پھر کیا تم نہیں دیکھتے ہو۔

چو نادانی ندانی ہیچ ازین حال
شود ضائع ترا روز و مہ و سال

ترجمہ:۔ چونکہ تُو نادان ہے (اس لئے) تُو اس حال کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا، تیرے دن، مہینے اور سال ضائع ہوتے جاتے ہیں۔

تشریح:۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تیری اپنی نادانی کے سبب سے معجزاتِ معرفت کا حال اور اس کی قدر و منزلت اور اہمیّت و افادیت تُجھ پر پوشیدہ ہے۔ اگر تجھے ذرا بھی عقل ہوتی تو حصولِ معرفت کے لئے تُو ساعی اور کوشاں رہتا، اور تیری گرانقدر عمر اور قیمتی اوقات اسی طرح بے کار اور لاحاصل ضائع نہ ہوتے۔

ز دانش زندہ مانی جاودانی
ز نادانی نیابی زندگانی

ترجمہ:۔ دانش و معرفت ہی سے تُو زندۂ جاوید رہے گا، نادانی و ناشناسی سے تجھے کوئی حیات و بقا حاصل نہ ہوگی۔

تشریح:۔ سیّدنا کا اشارہ اس قرآنی تعلیم کی طرف ہے:
"کیا وہ شخص جو مُردہ تھا پس ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے

ایک نور قرار دیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتا ہے اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے، جو اندھیروں میں (پڑا) ہو جن سے وہ نکل ہی نہ سکے ۶/۱۲۲"

یہاں نُور کے معنی علم و معرفت ہیں، اور ظلمت کے معنی جہالت و ناشناسی ہیں۔

اگر بشناختی خود را بہ تحقیق
هم از عرفانِ حق یابی تُو توفیق

ترجمہ:۔ اگر تو اپنے آپ کو بہ حقیقت پہچانے تو (ساتھ ہی ساتھ) تجھے حق تعالیٰ کی معرفت کی توفیق بھی ملتی رہے گی۔

نماند بر تُو پنہان ہیچ حالی
نہ بینی از جہان در دل ملالی

ترجمہ:۔ (حصولِ معرفت کے لبعد) تجھ پر حقیقت کا کوئی حال پوشیدہ نہ رہے گا، نہ ہی تو اپنے دل میں دنیاوی تکالیف سے کوئی اکتاہٹ محسوس کرے گا۔

در امروز اندرین عالم نہ بینی
دران عالم بصد حسرت نشینی

ترجمہ:۔ اور اگر تو آج اس دنیا میں نہ دیکھ سکے، تو اُس عالم میں تجھے صدہا حسرتیں لے کر رہنا پڑے گا۔

تشریح: حجّتِ خراسان کا یہ ارشاد اس آیۂ کریمہ کے مطابق ہے: وَمَنْ کَانَ فِی هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی

وَاَضَلُّ سَبِيۡلًا ۝ = اور جو کوئی اس (دنیا) میں اندھا رہا پس وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا اور بہت زیادہ گمراہ رہے گا۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ا، شمارہ ۳، ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ، دسمبر ۱۹۷۴ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

سُورۂ مُزّمّل کی چند حکمتیں

سوال وجواب کی صورت میں

از قلم: علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی۔

سوال نمبر ا:۔ کپڑوں میں لپٹنے والا کون ہے؟ اور اس خطاب کی وجہ کیا ہے؟

جواب:۔ کپڑوں میں لپٹنے والا یا چادر لپیٹنے والا آنحضرتؐ کے ناموں میں سے ہے، اس کی وجہ بعضوں نے یہ بتائی ہے کہ ابتدائے نبوّت میں کفارِ قریش نے حضورِ اکرمؐ کو ساحر کہا، آپؐ کو یہ خبر سُن کر رنج ہُوا اور رنج کی حالت میں کپڑوں میں لپٹ گئے اور بعض کے نزدیک اس خطاب کی وجہ یہ ہے کہ شروع شروع میں جب سرورِ کونینؐ پر نزولِ وحی کی کیفیت گزرتی تھی، تو آپ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے اور فرماتے تھے، کہ مجھے کپڑوں میں لپیٹ دو۔

سوال نمبر ۲:۔ خدائے حکیم نے اشارہ فرمایا، کہ رات کو بروقت سو کر پھر جلد ہی عبادت کے لئے جاگ اُٹھو، اس میں کیا حکمت پوشیدہ ہے؟ اور ساری رات جاگنے کے لئے کیوں نہیں فرمایا؟

جواب:۔ نیند سے اُٹھ کر عبادت کرنے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس سے نہ صرف جسم تازہ دم ہوجاتا ہے، بلکہ مومن کا دل و دماغ بھی ہر قسم کی فکری اُلجھنوں سے آزاد و فارغ ہوجاتا ہے۔ اور ذکر و عبادت میں یکسوئی صرف ایسی ہی حالت میں ہوسکتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں ساری رات عبادت میں گزارنے کا بھی ذکر ہے، جس کی حکمت و منفعت اس سے علیٰحدہ ہے۔

سوال نمبر ۳:۔ سُورۂ مُزّمّل کے ارشاد کے مطابق رات کے کس وقت سے عبادت شروع ہونی چاہیئے؟

جواب:۔ رات کی ایک تہائی گزر جانے کے بعد یا نصف شب سے یا آخری تہائی سے ذکر و عبادت کا آغاز ہونا چاہیئے۔

سوال نمبر ۴:۔ مذکورہ سُورہ میں قرآن کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ قرآن کا مطلب قرآنِ حکیم ہے، جو سرورِ انبیاء صلعم پر نازل ہُوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا ہر بزرگ اسم قرآن مقدس کا ایک حصّہ ہے، کیونکہ یہ قرآن مجید میں سے ہے اور اس میں قرآن شریف کی معجزانہ رُوح اور نُور پنہان ہے۔

سوال نمبر ۵:۔ رات کی عبادت کے وقت میں کمی بیشی کا یہ اختیار کیوں دیا گیا ہے؟

جواب:۔ اس لئے کہ مومن کی حالت ایک جیسی نہیں رہتی وہ کبھی زیادہ تھکا ماندہ ہوتا ہے، کبھی بیمار اور کبھی سفر پہ ہوتا ہے۔

سوال نمبر۶ :۔ ترتیلِ قرآن کا مطلب بتاؤ ؟

جواب :۔ ترتیلِ قرآن کا مطلب ہے قرآن کو حسنِ ترتیب سے پڑھنا اور اگر عبادت میں قرآن میں سے کوئی اسم الٰہی ہے تو مکمل توجہ اور دل کی بیداری سے پڑھنا۔

سوال نمبر۷ :۔ عبادت کس چیز کے حصول کی تیاری ہوتی ہے ؟

جواب :۔ ذکر و عبادت کی تکمیل حقیقی مومن کی وہ تیاری ہے کہ اس کے نتیجے میں مومن کو اللہ پاک کی جانب سے نیک توفیق، خاص ہدایت اور بلند حوصلہ مل سکتا ہے۔

سوال نمبر۸ :۔ قولِ ثقیل کا کیا اشارہ ہے ؟

جواب :۔ قولِ ثقیل کا خاص تعلق پیغمبر صلعم کی ذات شریف سے ہے، اور وہ ایک عظیم حکمت ہے، اور مومن کے لئے اس کا اشارہ روحانی ترقی ہے۔

سوال نمبر۹ :۔ رات کی عبادت سے کیا کیا فائدے حاصل ہو سکتے ہیں ؟

جواب :۔ اس سے نفسِ امارہ خوب کچل جاتا ہے، ذکرِ الٰہی آگے بڑھتا ہے اور عقل و دانش میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

سوال نمبر۱۰ :۔ شب بیداری سے ذکر کی ترقی ہونے کا سبب کیا ہے ؟

جواب :۔ چونکہ رات نہ صرف فراغت اور سکون کا وقت ہے، بلکہ

اس میں بموجب سورۂ فرقان یعنی ۲۵/۶۲ خُدا کے امر سے یہ تاثیر بھی ہے، کہ ذکرِ الٰہی معجزانہ حد تک آگے بڑھ جاتا ہے۔

سوال نمبر۱۱:۔ اللہ تعالیٰ نے یہ جو ارشاد فرمایا، کہ دن کو تمہارے لمبے لمبے شغل ہوتے ہیں، حالانکہ سب جانتے ہیں کہ رسُولِ اکرمؐ دن کو ایسے مشاغل کے باوجُود بھی ذکر و عبادت سے خالی نہیں رہتے تھے، پھر اس میں کیا حکمت ہے جو فرمایا گیا کہ آپ رات کو عبادت کے لئے اُٹھا کریں؟

جواب:۔ یہ دن کی عبادت پر رات کی عبادت کی فضیلت کا ایک روشن ثبوت ہے۔

سوال نمبر۱۲:۔ ارشاد ہے کہ آپ اپنے رب کا نام یاد کرتے رہو اور سب سے قطع کر کے اسی کی طرف متوجّہ رہو، اس میں کیا حکمت ہے کہ یہاں ذکر پہلے آیا اور توجّہ بعد میں ہے؟

جواب:۔ چونکہ روحانی توجّہ کوئی ظاہری تعلیم کی چیز ہے نہیں یہ تو کثرتِ ذکر کے نتیجے میں خود بخود پیدا ہوتی ہے، اس لئے آیت میں ذکر کا بیان پہلے آیا اور توجّہ کا بعد میں۔

سوال نمبر۱۳:۔ ذکر کے وقت کِن کِن چیزوں کو بھولنا چاہیئے؟

جواب:۔ ذکر کے دوران ذاکر ہر چیز کو بھول جائے، یہاں تک کہ اپنے آپ کو بھی فراموش کرے، سوائے اس خیال کے کہ اسم کی حقیقت سے خُدا کو جُدا اور دُور نہ سمجھے۔

سوال نمبر۱۴: ۔ ارشاد ہے کہ " وہ مشرق اور مغرب کا پروردگار ہے"۔ اس ارشادِ ربّانی میں کیا حکمت ہے؟

جواب: ۔ یعنی اللہ تعالیٰ حدُودِ علوی اور حدودِ سفلی دونوں کی تائیدی پرورشس فرماتا ہے، اسس لئے مومن ذاکر کو یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ خواہ وہ جس درجے میں بھی ہو اسے ذکر و عبادت کا ثمر ضرور ملتا رہے گا۔

سوال نمبر۱۵: ۔ یہاں آیت ۹ میں فرمایا گیا ہے کہ تم اپنے معبُودِ برحق کو اپنا وکیل بناؤ۔ تو بتائیے کہ توّکل پہلے ہے یا عبادت؟

جواب: ۔ پہلے معبُودِ برحق کی عبادت ہونی چاہیئے اور وہ بھی معرفت کی روشنی میں، اس کے بعد توّکل کا مقام آتا ہے، مذکورہ آیۂ کریمہ سے یہی حقیقت ظاہر ہے۔

سوال نمبر۱۶: ۔ یہاں صبر سے کیا مراد ہے؟

جواب: ۔ اگر سُورۂ مزمل کو ذکر و عبادت کا ایک مسلسل اور مربوط مضمون قرار دیں، تو یہاں صبر کے معنی یہ ہوں گے کہ منکرین کی باتوں سے نہ صرف ظاہری طور پر رنج ہوتا ہے، بلکہ اسس سے ذکر و عبادت کے دوران بھی وسوسوں کی صورت میں اذیّت پہنچتی رہتی ہے، جس کا علاج صبر و ثبات سے ذکرِ الٰہی میں مصروف رہنا ہے۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ا۔ شمارہ نمبر ۸۔ جمادی الاوّل ۱۳۹۵ھ مئی ۱۹۷۵ء

انسانی کمال کی صفت

ماخوذ از روشنائی نامہ سیدنا ناصر خسرو قؒ

ترجمہ: از علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی۔

درخت است این جہان و میوہ مائیم
کہ خُرّم بر درختِ او بر آئیم

ترجمہ:۔ یہ جہان درخت ہے اور (اس کا) میوہ (پھل) ہم ہیں۔ کیونکہ ہم اسی جہان کے درخت پر ترو تازہ نشو ونما پاتے ہیں۔

دگر ہستند برگ و ما ہمہ بر
طفیل ما شدند این ہا سراسر

ترجمہ:۔ دُوسری (مخلوقات) پتے ہیں اور ہم سب (انسان) پھل ہیں یہ ساری (مخلوقات) ہمارے طفیل سے ہوئی ہے۔

شرف دارد درخت از میوہ آری
کہ باشد تا ندارد ہیچ باری

ترجمہ:۔ درخت کو شرف و عزت پھل ہی سے حاصل ہے (ورنہ) کون رہنے دیتا ہے جبکہ اس کا پھل کوئی نہ ہو۔

ز بوی و لذتِ خوش میوہ ہا را
شرف باشد چنانک از عقل ما را

ترجمہ:۔ خوشبو اور خوش ذائقہ ہونا پھلوں کے لئے باعثِ شرف و فضیلت ہے جیسے ہم (انسانوں) کے لئے عقل و دانش سے (شرف و عزّت ہے)۔

نیابد مردِ جاہل در جہان کام
ندارد بوی دلذّت میوۂ خام

ترجمہ:۔ نادان آدمی دُنیا میں مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ کچّے پھل میں بُو اور ذائقہ نہیں ہوتا۔

مشو چون میوہ ہای نارسیدہ
سقط ہرگز نا باشد چون گزیدہ

ترجمہ:۔ کچّے پھلوں کی طرح نہ ہوجا (درخت سے) ناتمام گرا ہُوا اور (پک کر) چُنا ہُوا پھل دونوں برابر نہیں ہوتے۔

سقط باشد درین باغ آنچہ خامند
حکیمان میوہای خوش طعامند

ترجمہ:۔ اس باغ میں جو کچّے ہیں وہ سقط (یعنی ناتمام و ناپختہ گرا ہُوا) ہیں (جبکہ) اہلِ حکمت خوش ذائقہ پھل ہیں۔

درختی کان لطیف و میوہ دار است
مرورا باغبان پرور دگار است

ترجمہ:۔ جو درخت عمدہ اور پھل دار ہو باغبان اسی کی (زیادہ سے زیادہ) پرورش کرتا ہے۔

نخواہد میوہ جُز خوشبوی و شیرین
بیند از دسقطہای بد آئین

ترجمہ:۔ (باغبان، خُوشبُو دار اور میٹھے پھل کے بغیر نہیں چاہتا ہے (اور) ناکارہ گرے ہوئے پھلوں کو پھینک دیتا ہے۔

سقط خوار است خواری را رہا کن
تمامی جوی و خود را پُر بہا کن

ترجمہ:۔ ناتمام بے قدر ہے بے قدری کو چھوڑ دے (اور) تمامیت کی جستجُو کر اور اپنے آپ کو پُرقیمت بنالے۔

ہر آن میوہ کہ بنود طعم و بویش
نباشد باغبان در جستجویش

ترجمہ:۔ ہر وہ پھل جس کی (کوئی) لذّت اور خُوشبُو نہ ہو باغبان اس کی طلب میں نہیں رہتا ہے۔

ترا لذّت ز علم است از عمل بُوی
کمالیت ز علم باعمل جوُی

ترجمہ:۔ تجھ کو علم سے لذّت اور عمل سے خُوشبُو ہے (اسی طرح) اُس علم سے جو عمل کے ساتھ ہو تمامیت و کمالیت کو طلب کرے۔

گر از سرچشمۂ معنی خوری آب
شوی در باغ جنّت میوۂ ناب

ترجمہ:۔ اگر تو حقیقت کے سرچشمے سے پانی پیا کرے تو تُو جنّت

کے باغ میں پاک وصاف میوہ بن سکتا ہے۔

دگر باشی سقط در خاک مانی
مُعذّب در بلای جاودانی

ترجمہ:۔ اگر تو سقط ہو جائے تو تو مٹّی میں رہ جائے گا، دائمی بلا میں عذاب اُٹھاتے ہوئے۔

نباشی درخورِ خوان شہنشاہ
چو خاکی خوار باشی برسرِ راہ

ترجمہ:۔ (اس صُورت میں) تو شاہنشاہ کے دستر خوان کے قابل نہ ہو گا (بلکہ) رستے کی مٹّی کی طرح حقیر و ذلیل ہو جائے گا۔

چو خواہی تا کہ یابی دانش وہوش
مکن پندِ حکیمان را فراموش

ترجمہ:۔ اگر تُو چاہتا ہے کہ تجھے عقل و شعور حاصل ہو تو حکماء کی نصیحت کو فراموش مت کر۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ا، شمارہ ۱۰۔ رجب ۱۳۹۵ھ، جولائی ۱۹۷۵ء

خودشناسی

سیدنا ناصر خسرو قدس کی تصنیف "روشنائی نامہ" سے انتخاب

اُردو ترجمہ از: علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

۱۔ اگر بشناختی خود را بہ تحقیق
ہم از عرفانِ حق یابی تو توفیق

ترجمہ:۔ اگر تُو اپنے آپ کو بہ حقیقت پہچانے تو (ساتھ ہی ساتھ) تجھے حق تعالیٰ کی معرفت کی توفیق بھی ملتی رہے گی۔

۲۔ نماند بر تو پنہان، ہیچ حالی
نہ بینی از جہان در دل ملالی

ترجمہ:۔ (حصولِ معرفت کے بعد) تجھ پر حقیقت کا کوئی حال پوشیدہ نہ رہے گا۔ نہ ہی تو اپنے دل میں دنیاوی تکالیف سے کوئی اکتاہٹ محسوس کرے گا۔

۳۔ بود پیدا بر اہل علم اسرار
ولی پوشیدہ گشت از چشمِ اغیار

ترجمہ:۔ اہلِ علم پر (حقائق کے) پوشیدہ بھید ظاہر ہیں لیکن (یہ بھید) غیروں کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔

۴۔ بیا بکشای چشمِ دل درین راہ
مگر از خویش واز حق گردی آگاہ

ترجمہ:۔ آ اس (معرفت کی) راہ میں دل کی آنکھ کھول کر دیکھ لیا کر تاکہ تُو اپنے آپ سے اور حق تعالیٰ سے واقف و آگاہ ہو سکے۔

۵۔ ورامروز اندرین عالم نہ بینی
درآن عالم بصد حسرت نشینی

ترجمہ:۔ اور اگر تُو آج اس دنیا میں نہ دیکھ سکے تو اُس عالم میں تجھے صدہا حسرتیں لے کر رہنا پڑے گا۔

۶۔ نہ بہرِ خواب و خوردی ہمچو حیوان
برائی حکمت و علمی چو انسان

ترجمہ:۔ تُو حیوان کی طرح سونے اور کھانے کے لئے نہیں (بلکہ) علم و حکمت کے لئے انسان (پیدا کیا گیا) ہے۔

۷۔ خطاب از حق بجز تو نیست باکس
اگر دریابی این معنی ترا بس

ترجمہ:۔ حق تعالیٰ کے ساتھ ہمکلام ہونے کا شرف تیرے سوا اور کسی مخلوق کو حاصل نہیں اگر تُو سمجھ سکے، تو یہی حقیقت تیرے لئے کافی

ہے۔

۸۔ زمین و آسمان بہر تو آراست
ازان برخاستی با قامتِ راست

ترجمہ:۔ خُدا نے زمین و آسمان تیرے لئے پیدا کر دیا اسی سبب سے تو (پرورش پاکر) ایک سرو قد انسان بنا۔

۹۔ توئی فرزند این عالم چو آدم
خلف برخیز چون آدم ز عالم

ترجمہ:۔ تُو حضرت آدم کی طرح اس کائنات کا فرزند (یعنی ماحصل) ہے لہٰذا حضرتِ آدم صفیؑ کی طرح تُو اس عالم کا ایک لائق فرزند ثابت ہو جا۔

۱۰۔ بفضل و دانش و فرہنگ و گفتار
توئی در ہر دو عالم گشتہ مختار

ترجمہ:۔ علمیت و فضیلت اور شعور و گفتگو کے سبب سے تُو دونوں جہان پر برگزیدہ ہے۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۱، شمارہ ۱۲۔ رمضان ۱۳۹۵ھ، ستمبر ۱۹۷۵ء

نیک اعمال سے دوستی

از قلم : علامہ نصیر الدین نصیر ہونزائی

قرآنِ حکیم زبانِ حکمت سے جو تعلیمات پیش کرتا ہے اُن میں یہ بھی ہے کہ ایمان کا مرکز انسانی قلب یعنی مومن کا دل ہے۔ ایمان محض نام کی چیز ہرگز نہیں بلکہ وہ ایک زندہ اور روشن حقیقت ہے جب ایک حقیقی مومن روحانیت کے ایک اعلیٰ مقام پر پہنچتا ہے تو وہ دیدۂ دل سے نورِ ایمان کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔ خدائے جلیل و جبّار اس حقیقت کا گواہ ہے کہ ایمانِ حقیقی مومن کے دل کو عملاً بہشت کا نمونہ بنا دیتا ہے، پھر مومن کی ایمان سے محبت ہوتی ہے اور اس وقت کفر، فسق و نافرمانی سے نفرت ہوتی ہے اور ایسے مومنین ہدایت یافتہ ہوتے ہیں اور یہی مطلب اس آیۂ کریمہ میں ہے:۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ

قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ (۴۹/۷)

ترجمہ:۔ لیکن خُدا نے تو تمہیں ایمان کی محبت دے دی ہے اور اس کو تمہارے دلوں میں عمدہ کر دکھایا ہے اور کُفر اور بدکاری اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا ہے یہی لوگ راہِ ہدایت پر ہیں۔

جب مکمل ایمان کا کوئی ذکر ہوتا ہے، تو اس میں لوازمِ ایمان اور نتائج و ثمراتِ ایمان بھی مُراد لئے جاتے ہیں۔ پس جاننا چاہیئے کہ ایمان قلبِ مومن میں نُورانیت کی ایک سدا بہار دُنیا ہے اور اس سے مومن کی محبت لازمی سی ہے، جیسا کہ قرآنِ حکیم کا ارشادِ مقدّس ہے کہ:

اُولٰٓئِكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ط (۵۸/۲۲)

ترجمہ:۔ "یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں (اللہ تعالیٰ نے) ایمان لکھ دیا ہے اور اُن کی مدد اپنی ایک روح سے کی"۔ یعنی قلوبِ مومنین میں اللہ تعالیٰ کا یا فرشتوں کا ایمان لکھ دینا یہ ہے کہ ایمانِ کامل کے نتائج و ثمرات روحانیت کی ایک روشن دُنیا کی صورت میں تیار ہو گئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان، لوازمِ ایمان اور نتائجِ ایمان سے مومن کی بہت محبت ہوتی ہے۔

قرآنِ مقدس ۲۸/۳۲ میں ذکرِ الٰہی کو عزیز رکھنے اور اسے تمام دنیوی چیزوں پر ترجیح دینے کا اشارہ موجود ہے۔ (۲/۲۱۶) میں زبانِ حکمت سے

یہ فرمایا گیا ہے کہ تم نورِ ہدایت کی روشنی میں غلط انتخاب سے بچ کر ہر نیک عمل سے دوستی رکھو اور ہر بد عمل سے نفرت کرو۔

۳/۹۲ میں ارشاد ہوا ہے کہ: تم مکمل نیکی کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے جب تک کہ اپنی محبوب چیزوں میں سے خرچ نہ کرو گے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حلال چیزوں سے محبت رکھنا جائز ہے مگر موقع پر اُن میں سے راہِ خُدا میں خرچ کرنا ضروری ہے۔

سورہ ۲۴ کی آیت ۲۲ میں ارشاد ہوتا ہے کہ: کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ خُدا تمہاری خطا معاف کرے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بخشش کو دوست رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

سورۂ قیامت (۷۵) کی آیت ۲۰، ۲۱ میں دنیا سے محبت کرنے اور آخرت کو چھوڑنے پر اعتراض کیا گیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آخرت سے محبّت کی جائے۔

الجمعہ (۶۲) کی آیت ۱۳ میں فرمایا گیا ہے کہ: مومنین اللہ پاک کی طرف سے مدد اور فتح کے دلدادہ ہوتے ہیں، جو عنقریب حاصل ہونے والی ہے۔

غرض یہ ہے کہ قرآن حکیم میں ایسے بہت سے واضح ارشادات اور اشارات موجود ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت ضروری ہے، تاکہ ولایت کے مدارج طے ہو سکیں اور ابدی نجات حاصل ہو۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۲۔ شمارہ ۱۔ شوال ۱۳۹۵ھ، اکتوبر ۱۹۷۵ء

حکمتِ ناصری (۱)

حقائق و معارف (قسطِ اوّل)

(از قلم: علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی)

(۱) الا ای زادۂ گردون الا ای زُبدۂ امکان
بمعنی حُجتّی بشنو طرازش رحمت و برہان

ترجمہ:۔ آگاہ ہوجا اے کائنات کے فرزند آگاہ ہوجا اے عالمِ امکان کے خلاصے، معنی اور حقیقت کی ایک ایسی دلیل سُن لے جو رحمت اور دلیل کی قاطعیّت کا طرز رکھتی ہے۔

شرح:۔ حکیم نامور حضرت پیر ناصر خسرو قدس سرّہٗ کے اس ارشاد کے مطابق انسان کائنات کا بیٹا ہے اور عالمِ امکان کا خلاصہ ہے، جس کی توجیہہ یہ ہے، کہ آدم اور آدمی کی آفرینش و تخلیق میں کون و مکان کی جملہ قوتوں سے کام لیا گیا ہے، یا یوں کہنا مناسب ہوگا کہ انسان ساری کائنات

کا نچوڑ اور خلاصہ ہے، اس معنیٰ میں کائنات و ممکنات گویا ایک بہت ہی عجیب و غریب اور نہایت ہی عظیم درخت ہے، اور اس کا پھل انسان ہے، یا یہ وجودِ ظاہر و باطن بمثلِ دُودھ کا ایک بے پایان سمندر ہے اور انسان اس کا مکھّن یعنی خلاصہ ہے۔

(۲) چو در بحرِ سُخن رانم برآرم گوہرِ آدم
چو در کانِ خرد آئم نمائیم جوہرِ انسان

ترجمہ:۔ جب میں گفتگو کے سمندر میں (کشتی) چلاؤں گا تو آدم (اور آدمیت) کا موتی نکالوں گا، اور جب میں دانش کی کان میں داخل ہوں گا تو (وہاں سے) انسان کا گوہر ظاہر کروں گا۔

شرح:۔ پیر صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں جب بھی علم و حکمت کی کشتی پر سوار ہو کر گفتگو اور بیان کے بے پناہ سمندر میں آگے بڑھوں گا تو اس میں درخشندہ دلائل سے یہ ثابت کر کے دکھاؤں گا، کہ اس بحرِ ناپیدا کنار کا گوہرِ مقصود آدم و آدمیت ہی ہے، اور اسی طرح جب میں عقل و دانش اور عرفان و ایقان کے پہاڑ کی کان میں چلا جاؤں گا تو وہاں سے بھی انسان اور انسانیت کی حقیقتِ عالیہّ کے جواہرات ظاہر و آشکار کروں گا۔

(۳) حُروفِ عقل بشمارم کہ مسطور است اشیارا
کتابِ نفس برخوانم کہ باشد نسخہُ درجان

ترجمہ:۔ میں عقل کے حرُوف کو گِن گِن کر بتاؤں گا جو تمام چیزوں پہ لکھے ہُوئے ہیں، اور کتابِ نفس کو پڑھ کر سناؤں گا، کیونکہ جان میں

نفس کا ایک نسخہ موجود ہے۔

شرح :۔ اشیائے کائنات کے حرُوفِ عقلی سے مُراد چیزوں کی حقیقتیں ہی ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ظاہری حرُوف کو ترتیب دینے سے زبان پر تقریر اور کاغذ پر تحریر کی صُورت بنتی ہے اسی طرح عقلی حرُوف کی بھی اپنی قسم کی تقریر و تحریر ہے، جسے حقیقتِ اشیاء یا معرفت و حکمت کہتے ہیں، اور کتابِ نفس بھی اس معنی سے دُور نہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں حرُوفِ عقلی اور حقیقت و معرفت پر مبنی یعنی رُوح اور روحانیت کی کتاب ہے، جس کو پڑھ کر سُنانا یہ ہے کہ اس کی حکمتیں بیان کر دی جائیں۔

(۴) ہر آن چیزی کہ در آفاق موجود است ہستی را

در انفس مثلِ آن بنہادہ ایزد سر بسر برخوان

ترجمہ :۔ کائنات میں ہستی کی جو چیزیں موجود ہیں خداوند تعالیٰ نے ان سب کی مثالیں نفوسِ انسانی میں رکھی ہیں، اُن کو سر بسر پڑھ لینا۔

شرح :۔ آفاق افق کی جمع ہے جو اس ظاہری کائنات کا نام ہے، اور انفس نفس کی جمع ہے جو اس عالمِ باطن کو کہتے ہیں، جو نفسِ باطن میں پوشیدہ ہیں پیر صاحب کا ارشاد ہے کہ عالمِ ظاہر میں جو لاتعداد چیزیں مادی طور پر الگ الگ پائی جاتی ہیں وہ سب کی سب عالمِ نفس میں رُوحانی یکجائی کے طور پر موجُود ہیں، یعنی انسان کی روح میں

اشیائے ظاہر کے سب رُوحانی اور علمی نمونے مہیّا ہیں، جن کی شناخت کی روشنی میں خارجی دُنیا کی اشیاء کی حقیقتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔

(۵) بگویم طُرفہ بیتی چند در آفاق و در انفس
هم از گفتارِ پیغمبر، هم از فرمودهٔ یزدان

ترجمہ:۔ میں آفاق و انفس کے بارے میں چند عجیب و غریب بیت کہوں گا، جو پیغمبرؐ کے ارشاد اور اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق ہوں گے۔

شرح:۔ پیر صاحب کہتے ہیں کہ یہاں کچھ ایسے حکمت آگین اور پُر مغز ابیات پیش کئے جائیں گے جو آفاق و انفس کے اسرارِ معرفت سے بھرپور ہیں اور خداوند کریم کے مقدّس ارشادات کی روشنی میں اور انہیں کی مطابقت میں ہوں گے۔

(۶) عزیزا چشمِ دل بگشا و گوشِ جان بگفتارم
چو جان و دل تو این معنی درونِ جان و دل بنشان

ترجمہ:۔ اے عزیز میری بات کے لئے دل کی آنکھ اور روح کے کان کھول، تو اس معنی کو جان و دل کی طرح جان و دل کے اندر اپنا لینا۔

تشریح:۔ بزرگانِ دین حقیقت اور حکمت کی جو رُوح پرور تعلیمات پیش کرتے ہیں اُن میں حقائق و معارف کے اعلیٰ درجے کے تصوّرات موجود ہوتے ہیں جبکہ کوئی نیک بخت انسان بزرگوں کے اقوال کو دل کے کان

سے سُنتا ہے اور پیر صاحب کا یہ فرمانا کہ "میری باتوں کو جان و دل کی طرح جان و دل میں بٹھا لینا،، یہ معنی رکھتا ہے کہ ان کے اقوال کو پوری طرح قبول کیا جائے، یعنی حقیقت دل و جان کے ساتھ ایک ہو جاتی ہے، کیونکہ علم و حقیقت اور دل و جان کا جوہر ایک ہی ہے۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۲ شمارہ ۸، ۹۔ جمادی الاوّل جمادی الثانی ۱۳۹۶ھ، اپریل مئی ۱۹۷۶ء

عقیدۂ توحید

از علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

تلخیص۔ از غلام عباس

توحید کا عقیدہ دنیائے اسلام میں بنیادی حیثیت کا حامل ہے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ کی وحدت اور یکتائی کا اقرار کرنا اور یہ باور کرنا ہے کہ خدائے تعالیٰ لاشریک و بے نیاز ہے۔

قرآن حکیم میں لاتعداد پُر حکمت مثالوں کے ذریعے بتایا گیا ہے کہ اس کتابِ مقدّس کا مقصد علمِ توحید ہی ہے اور جُملہ انبیائے سلف کی تبلیغ کی غرض و غایت بھی علمِ توحید کو عام کرنا تھا۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ توحید کی کیا کیفیت و حقیقت ہے؟ اس مشکل و پیچیدہ مسئلے کے بارے میں بزرگانِ دین کے بہت سے اقوال موجود ہیں اور ان سب کا زُبدہ و خلاصہ یہ ہے کہ توحید باری تعالیٰ انسانی

علم و دانش سے بالاتر ہے۔ الفاظ میں وہ گنجائش کہاں کہ ان کے ذریعے حقیقتِ توحید بیان ہو سکے۔ چنانچہ حکیم ناصر خسرو نے اپنی کتاب "روشنائی نامہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ:-

بنام کردگار پاک داور !
کہ ہست از وہم و عقل و فکر برتر !

ترجمہ:- باری سبحانہ و تعالےٰ کے نام سے (آغاز کرتا ہوں) جو وہم، عقل اور فکر کی رسائی سے بالا و برتر ہے۔

ہمو اوّل ہمو آخر ز مبدا
نہ اوّل بودہ و نے آخر او را

ترجمہ:- وہ مبدا (یعنی عقلِ اوّل کی نسبت) سے اوّل بھی ہے، اور وہی اس سے آخر بھی (مگر ذاتی طور پر) نہ اُس کی کوئی ابتدا ہے اور نہ کوئی انتہا۔

خرد حیران شدہ از کنہ ذاتش
منزہ دان ز اجرام و جہاتش

ترجمہ:- عقل و دانش اُس کی ذاتِ پاک کی حقیقت (سمجھنے سے قاصر اور) حیران رہ گئی ہے۔ اس کو اجرام و اطراف (کے تعیّن و حد بندی) سے پاک و برتر سمجھنا۔

کجا او را بچشم سر توان دید
کہ چشمِ جان تواند جانِ جان دید

ترجمہ:۔ سر کی آنکھ سے اُس کو کہاں اور کیسے دیکھا جا سکتا ہے، جب کہ روحانی آنکھ سے صرف جان کی جان یعنی نفسِ کلّی کو دیکھا جا سکتا ہے۔

خدا کی معرفت :۔ کتابِ مستطاب "نہج البلاغہ" خطبۂ اوّل میں حضرت امیر المومنین علیؑ کے ارشادِ گرامی کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:۔

تمام حمد اُس اللہ کے لئے ہے جس کی نعمتیں کوئی گِن نہیں سکتا، تمام عقول اس کے فہم سے عاجز ہیں، اور وہ زمان و مکان کے حدود و بندشوں سے ماوریٰ ہے، اُس نے مخلوقات کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔

دین کی ابتدا اُس کی معرفت سے ہے، کمالِ معرفت اُس کی تصدیق ہے، کمالِ تصدیق اُس کی توحید ہے، کمالِ توحید تنزیہ و اخلاص ہے کہ اس سے صفات کی نفی کی جائے ورنہ بصُورتِ دیگر دوئی پیدا ہوگی جو توحید کے متضاد ہے۔

وہ ہے، ہُوا نہیں وہ موجود ہے مگر عدم سے وجود میں نہیں آیا، وہ ہر چیز کے ساتھ ہے، لیکن جسمانی چیزوں کی طرح نہیں۔

خداشناسی اور معرفت کے درجات :۔ جس طرح ایمان اور مرتبتِ خداوندی کے مختلف درجات ہیں۔ اسی طرح توحید کے بھی مختلف مراحل ہیں۔ توحید دینِ حق کی جان ہے اور دینِ حق صراطِ مستقیم ہے۔

صراطِ مستقیم کے مسافر مختلف درجوں میں خدا تعالیٰ کے حضور کی جانب رواں دواں ہیں اس سے یہ ظاہر ہُوا کہ توحید کے الگ الگ درجات ہیں، قرآنِ حکیم میں حضرت ابراہیمؑ کے قصّے سے بھی یہ حقیقت ظاہر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام سب سے پہلے ایک ستارہ پھر چاند آخر میں سُورج کی جانب متوجّہ ہوئے اور اس کے بعد حقیقتِ توحید سے آگاہی حاصل کی۔ پس ثابت ہوا کہ خداشناسی کے مختلف درجات ہوتے ہیں۔

حضرتِ ابراہیمؑ کے اس قصّے کا تاویلی پہلو بھی ہے، اور یہاں چاند ستارے اور سُورج سے مُراد حدودِ دین ہیں جو توحید کے درجات کی حیثیت رکھتے ہیں، اور قرآنِ حکیم میں بھی ارشادِ باری تعالیٰ ہے هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌۢ بِمَا یَعْمَلُوْنَ ۳/۱۶۳ ۔ وہ (حدودِ دین) خُدا کے نزدیک درجات ہیں اور خُدا اِن کے اعمال کو خوب جانتا ہے۔

توحید "جامع الحکمتین" میں : پیر ناصر خسروؒ کی تمام کتب میں عقیدۂ توحید کا ذکر جا بجا ملتا ہے۔ لیکن جامع الحکمتین میں پیر موصوف نے اس مضمون کے لئے ایک باب وقف کیا ہے جس کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے :-

"بحیثیتِ مجموعی دینِ حق کے علم کا مقصد اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی

شناخت ہے جو وحدانیتِ محض سے اور توحیدِ مطلق کے ایسے اثبات سے حاصل ہو سکتی ہے کہ وہ تشبیہہ سے دُور اور تعطیل سے پاک ہو۔"

پیر ناصر خسرو نے بڑی عمدگی سے اعتقادات اور اخلاقیات کے بارے میں جو اختلاف پایا جاتا ہے واضح کیا ہے اور توحید کے متعلق تمام گروہوں کے نظریات کی وضاحت کرنے کے بعد محبّین اہلِ بیت کا نظریہ پیش کیا ہے جو حقیقتاً صائب نظریہ ہے، فرماتے ہیں:۔

"وہ (محبّینِ اہلِ بیت) کہتے ہیں کہ ہم تاویلِ عقلی کے ذریعہ مخلوقات کی صفات کو خالق سے نفی کرتے ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ تشبیہہ و تعطیل کے درمیان ایک منزلت ہے جس پر ہماری توحید قائم ہے۔"

وہ حضرت امام جعفر صادق سے روایت کرتے ہیں۔ آپ سے پوچھا گیا کہ توحید کے بارے میں حق تعطیل ہے یا تشبیہہ؟ آپ نے فرمایا کہ دونوں مدارج کے درمیانی درجہ ہے یعنی حق تشبیہہ و تعطیل کے مدارج کے درمیانی درجے میں ہے یعنی نہ وہ تشبیہہ ہے نہ تعطیل بلکہ دونوں سے پاک ہے۔

توحید کتاب "وجہِ دین" میں:۔ حکیم ناصر خسرو کی مایہ ناز تاویلی کتاب "وجہِ دین" میں حکیم موصوف نے کئی بار عقیدۂ توحید پر روشنی

ڈالی ہے، چنانچہ مذکورہ کتاب کے ترجمۂ اُردو حصہ اوّل کے کلام-۹ صفحہ ۳۷ پر ہے کہ :-

"تیسری قوّت عقل ہے۔ جس کے ذریعے انسان توحید کو تشبیہ اور تعطیل سے مجرّد کرتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدت کو نہ تو کسی چیز کے مانند قرار دیتا ہے اور نہ ہی اُس کی وحدت سے انکار کرتا ہے) اور وہ جانتا ہے کہ انسان کی عقل تمام چیزوں پر حاوی ہو جاتی ہے اور وہ عقل اس کے لئے ایک عطا ہے کہ وہ عطا اُسے ایک ایسی ذات کی طرف سے ہے جو خود اُس کی احتیاج سے برتر ہے اور یہ توحید کو مجرّد کرنے کا اشارہ ہے"۔

کتاب کے مذکورہ حصّے کے کلام-۱۰ صفحہ ۸۵ پر ایک مشہور حدیث درج ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ یقیناً اللہ نے اپنے دین کی بنیاد اپنی خلقت کی طرح رکھی تاکہ اُس کی خلق سے اُس کے دین کی دلیل لی جائے اور اس کے دین سے اس کی وحدانیت کی دلیل لی جائے۔

کلام-۱۱ صفحہ ۸۸ پر مذکور ہے کہ "پس میں کہتا ہوں کہ روا نہیں کہ رسول اللہ نے خدائے تعالیٰ کو دیکھا ہو۔ کیونکہ یہ امر ناممکن ہے، لیکن آپ کے لئے حق تعالیٰ کی وحدانیت پر دو عادل گواہوں نے گواہی دی، اور ساری مخلوق ان دو گواہوں کی گواہی سننے سے قاصر تھی اور اِن دو گواہوں میں سے ایک تو آفاق (عالمِ جسمانی) تھا اور دوسرا انفس، کہ وہ دونوں آنحضرتؐ کے لئے ایک واضح قول میں گواہی دے

رہے تھے کہ خدائے واحد کے سوا کوئی خدا نہیں۔ یہاں تک کہ آنحضرتؐ نے حق و صداقت کے ساتھ اِن کی گواہی پر گواہی دی۔"

وحدانیت اور ازل:۔ حکیم ناصر خسرو قدس زادالمسافرین کے صفحہ نمبر ۱۹۰ پر فرماتے ہیں کہ "ازل خدا کی وحدت کا اثبات ہے۔"

اس سے حضرت پیر کی مُراد یہ ہے کہ ازل ہی تصوّر اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کا مناسب اور موزون اور آسان تصوّر ہے۔ یعنی خدائے قدوس واحدہ لاشریک تمام روحانی اور جسمانی موجودات کی صفات سے کس طرح پاک ہے اور وہ ان کی شرکت سے کس طرح بے نیاز ہو سکتا ہے۔ اس کا ثبوت ازل کی حقیقت ہے اور پیر صاحب کا یہ نظریۂ توحید اہلِ بصیرت کے لئے اس قدر روشن ہے کہ وہ اس اُصولِ وحدانیت کی روشنی میں توحید کے تمام تر نکات کو سمجھ سکتے ہیں۔

اس مقام پر آپ نے ازل اور ازلی و ازلیّت کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ فصلِ اوّل کو ازل کی طرف راجع کر کے اسے ازلی کہنا چاہیئے۔ اور ازلیت وہ حقیقت ہے جس سے ازلی چیز کا ثبوت ہے۔ اور وہ ازلیت ابداع ہے اور ابداع کے معنی ہیں بغیر آلہ بغیر مادہ اور مکان و زمان کے کسی شئے کو ایجاد کرنا۔ چنانچہ ظاہر ہُوا کہ ازل خدا کی وحدت و یکتائی کا ثبوت

ہے۔ ازلی عقلِ اوّل کی صفت ہے اور ازلیت کی مثال ابداع ہے۔ یعنی عقل کو ایجاد کرنا۔

اسماعیلی بلیٹن۔ جلد ۲۔ شمارہ ۱۰، ۱۱۔ رجب شعبان ۱۳۹۶ھ۔ جون، جولائی ۱۹۷۶ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

تصوّف کے جواہر پارے

از دیوانِ حافظ

از قلم: علاّمہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

وقتِ سحر

درویش وقتِ سحر از غصّہ نجاتم دادند
وندران ظلمتِ شب آبِ حیاتم دادند

ترجمہ:۔ گزشتہ شب صبح کے وقت انہوں نے مجھے غصّہ سے نجات دے دی، اور اس رات کی تاریکی میں انہوں نے مجھے آبِ حیات دے دیا یعنی ذکر و عبادت کا معجزاتی نتیجہ رات کے آخری حصّے میں نکلتا ہے، غصّہ سے نجات ملنے کا مطلب ہے ریاضت کی تکمیل سے نفسِ امّارہ کا مغلوب ہو جانا، اور مشاہدۂ روحانی اور تجرباتِ عرفانی گویا آبِ حیات ہے جو ظلمات میں پوشیدہ ہے۔

بیخود از شعشعۂ پرتوِ ذاتم کردند
بادہ از جامِ تجلّیٔ بصفاتم دادند

ترجمہ:۔ انہوں نے مجھے ذاتِ پرتو کی منتشر روشنی سے بیخود بنا

دیا، انہوں نے مجھے صفاتِ خداوندی کی تجلّیوں کے جام سے شراب پلادی۔ ذاتِ پاک کے عکس کی پھیلی ہوئی روشنی سے مراد مرشدِ کامل کی روحانی ملاقات اور معرفت ہے، اور جامِ صفات کی شراب حقیقی محبت ہے۔

چہ مبارک سحری بود و چہ فرخندہ شبے
آن شب قدر کہ این تازہ براتم دادند

ترجمہ:۔ کیا مبارک صبح تھی، اور کیا مبارک رات تھی، وہ شب قدر کہ جس میں کہ مجھے یہ تازہ دستاویز دے دی گئی، یعنی جس شب کو کہ حافظ پر معرفت کا دروازہ کھُلا تھا۔

چون من از عشق رخش بیخود و حیران گشتم
خبر از واقعۂ لات و مناتم دادند

ترجمہ:۔ جب میں اس کے رُخ کے عشق سے بیخود اور حیران ہوگیا، تو مجھے لات و منات کے واقعہ کی خبر دے دی گئی، یعنی جب حقیقت کا انکشاف ہُوا، تو مجاز کے سارے بھید بھی کھُل گئے۔

من اگر کام روا گشتم و خوشدل چہ عجب
مستحق بودم و اینہا بزکاتم دادند

ترجمہ:۔ اگر میں کامیاب اور خوشدل ہوگیا تو کیا تعجب ہے میں اس کا مستحق تھا اور مجھے یہ زکوٰۃ کے طور پہ دیا گیا۔

بعد ازین روئے من و آئینۂ حسن نگار
کہ در آنجا خبراز جلوۂ ذاتم دارند

ترجمہ:۔ اس کے بعد میں ہوں گا اور معشوق کے حُسن کا آئینہ ، کیونکہ مجھے اسی مقام پر (یعنی اسی میں) جلوۂ ذات سے خبر دے دی گئی ہے۔ یعنی مرشدِ کامل جو آئینۂ جمالِ خُداوندی کی حیثیت سے ہے، اسی کے ذریعے سے معرفتِ الٰہی کا فیضان حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ہاتف آن روز بمن مژدۂ این دولت داد
کہ ببازارِ غمت صبر و ثباتم دادند

ترجمہ:۔ غیب سے آواز دینے والے نے اس دن مجھے اس دولت کی خوشخبری دی ، جبکہ تیرے غم کے بازار میں صبر و ثبات دے دیا یعنی جب تیرے غمِ عشق میں روحانی سکون حاصل ہونے لگا تھا، اسی وقت ہی مجھے یقین حاصل ہُوا کہ کامیابی کا راستہ یہی ہے۔

این ہمہ قند و شکر کز سخنم می ریزد
اجرِ صبر یست کزان شاخ نباتم دادند

ترجمہ:۔ یہ سب قند و شکر جو میرے کلام سے جھڑتی ہے اس صبر کا بدلہ ہے جو اس مصری کی شاخ کے عوض مجھے دیا گیا ہے، یہاں شاخِ نبات کے دو معنی ہیں گنا اور معشوقہ کا نام بھی ہے۔

کیمیائیست عجب بندگیٔ پیرِ مغان
خاکِ او گشتم و چندین درجاتم دادند

ترجمہ:۔ پیرِ مغان (پیشوای طریقت) کی غلامی عجیب کیمیا ہے میں اس کی خاک بنا اور انہوں نے مجھے اس قدر درجے دے دیئے، یعنی مُرشدِ کامل سے عقیدت و محبّت اور اس کی غلامی و خدمت کیمیا کی طرح ہے کہ اس سے خاک سونا بن جاتی ہے۔

بحیات ابد آن روز رسانید مرا
خطِ آزادگی از حسنِ مماتم دادند

ترجمہ:۔ ابدی زندگی تک اس نے مجھے اس روز پہنچا دیا جبکہ اس نے مجھے حسنِ موت کی آزادی کا خط دے دیا۔ یعنی جب میں عشق میں فنا ہُوا تو مجھے ابدی زندگی ملی۔

ہمّتِ حافظ و انفاسِ سحر خیزان بود
کہ ز بندِ غمِ ایّام نجاتم دادند

ترجمہ:۔ حافظ کی باطنی توجہ اور صبح کو اُٹھنے والوں کی دُعاؤں کی برکت تھی کہ انہوں نے مجھے زمانہ کے غم سے نجات دے دی۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۲، شمارہ ۱۲، رمضان المبارک سنہ ۱۳۹۶ھ، اگست سنہ ۱۹۷۶ء

ہمہ اُوست

از دیوانِ شیخ فرید الدّین عطّار، ترجمہ و شرح از علاّمہ نصیر الدّین نصیرؔ ہونزائی

ہر چہ ہست اُوست وہر چہ اُوست تُوئی

او تُوئی و تُو اُوست نیست دُوئی

ترجمہ:۔ جو کچھ ہے وہ ہے اور جو کچھ وہ ہے تُو ہے، وہ تُو ہے اور تُو وہ ہے کوئی دُوئی نہیں۔

شرح:۔ حضرت شیخ فرید الدّین عطّار علیہ رحمۃ فرماتے ہیں کہ "اے طالبِ حقیقت تیرا حقیقی معشوق عرصۂ امکان کی ہست و بود کا سب کچھ ہے اور جس طرح بحدِ فعل وہ سب کچھ ہے اسی طرح بحدِ قوّت تو سب کچھ ہے کیونکہ کُلّ جزو پہ حاوی اور محیط ہے اور جزو کُلّ میں شامل اور داخل ہے جب ان معنوں میں وہ تُو ہے اور تُو وہ ہے، تو پھر جاننا چاہئے کہ اس کے اور تیرے درمیان بحقیقت کوئی دوئی نہیں۔

ISW Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

در حقیقت چو اوست جملہ تو ہیچ
تو مجازی دو بینی و شنوی

ترجمہ :۔ جب حقیقت میں وہ سب کچھ ہے، تو تُو کچھ بھی نہیں، تُو مجازی طور پر دو دیکھتا ہے اور سُنتا ہے۔

شرح :۔ جب حقیقت و اصلیّت میں یہ مانا گیا کہ هُوَ الْکُلّ (یعنی ہمہ اُوست = وہ سب کچھ ہے) کا نظریہ برحق ہے تو پھر حقیقتاً تُو اپنی طرف سے کچھ بھی نہیں، ہاں اگر تو اس کے ساتھ ایک ہو سکتا ہے، تو یہی صفت تیری بھی ہے، اور جس طرح تو خود کو اور مطلوبِ روحانی کو دو دیکھتا ہے یہ تو تیرا ظاہری اور مجازی مشاہدہ ہے۔

کَی رَسی در وصالِ خود ہر گز
کہ تو پیوستہ در فراقِ خودی

ترجمہ :۔ تو اپنے دیدار تک کب پہنچے گا! ہر گز نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ تُو ہمیشہ اپنی جدائی میں گرفتار ہے۔

شرح :۔ عطّار فرماتے ہیں کہ تیرا حقیقی وجود یہ تو نہیں جو تُو اس وقت رکھتا ہے بلکہ وہ محبوب خود ہی تیری اصلی خودی اور تیری ازلی رُوح ہے جس کا وصال تیرے لئے بہت ہی ضروری ہے۔ تجھ سے اس کی یہ جدائی دراصل تیری اپنے آپ سے جُدائی ہے، تو اپنے رُوحانی دیدار تک نہیں پہنچ سکتا، کیونکہ تو مجاہدۂ نفس سے گریز کر کے اپنی اصلیّت سے دُور ہو جاتا ہے اور اپنی حقیقی رُوح کی جُدائی

میں مُبتلا رہتا ہے۔

زان خبر نیست از تُوئیّ خودت
کہ تو تا فوقِ عرش تو بتوی

ترجمہ:۔ تجھے اپنی خودی اور انا کی خبر اس لئے نہیں، کہ تو (زمین سے لے کر) عرشِ عظیم کے اُوپر تک تہ بتہ اور پیچ در پیچ ہے۔

شرح:۔ فرمایا جاتا ہے کہ تجھے اپنی خودی و ہستی سے واقفیّت و آگہی اس لئے نہ ہو سکی ہے کہ تیرے کُلّی وجود کے اجزائُ زمین سے لے کر بالائے عرشِ عظیم تک اس طرح درہم برہم اور پیچ در پیچ ہیں کہ ان کی وحدت و حقیقت جاننا تیرے لئے مشکل ہو گیا ہے۔

تا وجودِ تو کُلّ کُل نشود
جزو باشی بکُل کجا گروی

ترجمہ:۔ جب تک تیرا وجود (فنا ہو کر) کُلّ کی حقیقت نہ بنے، تب تک تو جزو ہی رہے گا (اور) کُلّ تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

شرح:۔ عطّار صاحب اس مقام پر ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،، کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب تک تو معاد سے مکمل رجوع ہو کر اپنے وجود کے قطرے کو وجودِ کُلّ کے سمندر میں نہیں ملا دیتا تب تک تو قطرہ اور جزو ہی رہے گا اور کُلّ تک کیسے اور کہاں پہنچے گا۔

نقطہ ای از تو بر تو ظاہر گشت
تو بدان نقطہ دائماً گرویٰ

ترجمہ:۔ تجھ پر تیری ہستی میں سے صرف ایک نقطہ ظاہر ہوا ہے، اور تو ہمیشہ اسی نقطے کی طرف متوجّہ رہا ہے۔

شرح:۔ تیرے وجودِ کُلّی میں سے فی الحال تجھ پر صرف ایک نقطہ ظاہر ہو چکا ہے یعنی تو جس طرح کُلّ ہے اس کا تجھے کوئی عِلم نہیں، صرف اتنا ہے کہ تو اپنی ظاہری شخصیت ہی کو جانتا ہے یہ تو تیرے عظیم وجود کا ایک چھوٹا سا نقطہ ہے، اور افسوس ہے کہ صرف اسی جزوی ہستی کے نقطے سے تیرا رجوع ہے۔

نقطۂ تو اگر بدائرہ رفت
رَو کہ کونین را تو پیش روی

ترجمہ:۔ اگر تیرا نقطہ دائرے میں داخل ہو گیا تو چلے جا کہ تو (اب) دونوں جہان کا پیشوا اور مقتدا ہے۔

شرح:۔ اگر کوئی خوش نصیب انسان روحانی اور عرفانی طور پر اپنے نقطۂ وجود کو وجود کے دائرۂ کُلّی کے مرکز پر پہنچا دیتا ہے تو ایسے عارفِ ربّانی سے کہا جائے گا کہ جا مُبارک ہو اب تو کونین کا پیشوا بن گیا۔

در درین نقطہ باز ماندی تو
اینت سجّینِ صعب وضیقِ قوی

ترجمہ:۔ اور اگر تو اسی نقطے میں رہ گیا تو یہی تیرا سخت اور بہت ہی

تنگ دوزخ ہے۔

شرح :۔ فرماتے ہیں کہ اگر تجھے بقای کُلّی کی معرفت حاصل نہ ہو اور صرف اپنی ظاہریت ہی کے نقطے میں محدود رہا تو بس یہی حال تیرے لئے سخت اور انتہائی تنگ جہنّم ہے۔

چون تو در نقطہ کشتہ باشی تخم
نہ ہما تا کہ دائرہ دِروی

ترجمہ :۔ جب تو نقطہ (جتنی جگہ) میں کوئی بیج بوتا ہے تو کیا ایسا نہیں ہے کہ تو دائرہ بھر فصل کاٹتا ہے۔

شرح :۔ نقطہ سے دائرہ کس طرح بنتا ہے وہ پرکار کی مثال سے ظاہر ہے کہ پرکار نقطۂ مرکز پر قائم ہو کر دائرہ بناتا ہے اسی طرح نقطہ بھر جگہ میں بیج بو کر ایک دائرہ جتنی فصل حاصل کی جاتی ہے، چنانچہ اگر نقطۂ خودی کی معرفت حاصل ہونے سے دائرۂ امکان کی ابدی سلطنت مل جاتی ہے تو اس میں کیا تعجّب ہے۔

نتوان رُست از چنین ضیقی
جُز بخورشید نُورِ مصطفوی

ترجمہ :۔ ایسے تنگ مقام سے چھٹکارا نہیں مل سکتا، نُورِ مُحمدّی کے سورج کے بغیر۔

شرح :۔ بیج خواہ درخت کا ہو یا کسی فصل کا جب زمین میں بو دیا جاتا ہے۔ تو وہ زمین کے اندر نقطہ بھر تنگ و تاریک جگہ میں مقیدّ و

محبوس رہتا ہے۔ اور اسے ہمہ وقت سورج کی حرارت و روشنی کی سخت ضرورت پڑتی ہے تاکہ وہ بیج تنگیٔ زمین سے نکل کر پروان چڑھے، اور پھلے پھُولے، بالکل اسی طرح جزوی ہستی کے نقطے کی تنگی سے کسی فردِ بشر کو نجات نہیں مل سکتی ہے مگر اس وقت جب کہ اس کے دل و دماغ پر نورِ محُمّدی کا سورج ضوفشانی کرنے لگتا ہے۔ پھر ایسے سعادت مند انسان کی رُوحانی و علمی بالیدگی شروع ہو جاتی ہے۔

کرد عطّار در عُلو پرواز
تا بدو تافت اخترِ نبوی

ترجمہ:۔ عطّار نے بلندی کی طرف پرواز کیا، جب کہ پیغمبر (صلعم) کے ستارے نے اس پر روشنی ڈالی۔

شرح:۔ جب اندھیری رات میں کسی مُسافر کے آگے آگے کوئی روشن مشعل جلتا رہتا ہے تو اس کا مقصد و منشا یہ ہوتا ہے کہ مسافر اس کے پیچھے پیچھے چلتا جائے، اسی طرح جب سرورِ انبیاء مُحمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم کے ستارۂ عزّت و رفعت نے عطّار کے باطن پر ضوفشانی کی تو عطّار رُوحانیّت کی فضاؤں میں پرواز کر گیا۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۳، شمارہ ۱۵۔ شوال ۱۳۹۶ھ، ستمبر ۱۹۷۶ء

حکمتِ ناصرؔی

حکمتِ حج

حاجیان آمدند با تعظیم — شاکر از رحمتِ خدائے رحیم
جَستہ از محنت و بلای حجاز — رَستہ از دوزخ و عذابِ الیم
آمدہ سوی مکّہ از عرفات — زدہ لبّیک عمرہ از تنعیم
یافتہ حجّ و کردہ عمرہ تمام — بازگشتہ بسوی خانہ سلیم
من شدم ساعتی باستقبال — پای کردم برون زحدِّ گلیم

(۱) حاجی حضرات تعظیم کے ساتھ حج سے واپس آئے، خُداوندِ رحیم کی رحمت کے لئے شکرگزاری کرتے ہوئے۔

(۲) حجاز کی محنت اور تکلیف سے فارغ ہو کر، دوزخ اور دردناک عذاب سے چھٹکارا پاکر۔

(۳) عرفات سے مکہّ میں آکر میقات سے عمرہ کے لئے لبّیک کہہ کر۔

(۴) فضیلتِ حجّ پاکر اور عمرہ کو مکمّل کر کے، سلامتی سے گھر کی طرف واپس ہوتے ہوئے۔

(۵) میں ذرا ان کے استقبال کو گیا، اور اپنے پاؤں کو کمبل کی حد سے زیادہ پھیلا دیا۔

مرمرا در میانِ قافلہ بود   دوستی مخلص و عزیز و کریم
گفتم اورا " بگو کہ چون رستی   زین سفر کردن برنج و بیم
تا ز تو باز ماندہ ام جاوید   فکرتم را ندامتست ندیم
شاد گشتم بدانکہ کردی حجّ   چون تو کس نیست اندرین اقلیم
باز گوتا چگونہ داشتہ ای   حرمتِ آن بزرگوار حریم؛

(۶) اس قافلہ میں میرا ایک مخلص، عزیز اور مہربان دوست تھا۔

(۷) میں نے اس سے کہا " بتا کہ تو کیسے فارغ ہُوا، اس رنج اور خوف کے سفر کرنے سے۔

(۸) کیونکہ جب سے میں تم سے پیچھے رہ گیا ہُوں، تب سے ہمیشہ، میری فکر کو پشیمانی لاحق ہُوئی ہے۔

(۹) میں خوش ہُوا اس لئے کہ تُو نے حج کیا، اس ملک میں تجھ ایسا کوئی نہیں۔

ISWLS Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science Knowledge for a united humanity

(۱۰) بتا دے کہ تُو نے کیسی بجا لائی، اس عظیم حرم کی حرمت؟

چون ہمی خواستی گرفت احرام | چہ نیت کردی اندر آن تحریم؟
جملہ بر خود حرام کردہ بُدی | ہر چہ ما دُونِ کردگارِ قدیم؟"
گفت "نی"، گفتمش: "زدی لبّیک | از سرِ علم و از سرِ تعظیم
می شنیدی ندایِ حق و جواب | باز دادی چنانکہ داد کلیم؟"
گفت "نی"، گفتمش "چو در عرفات | ایستادی و یافتی تقدیم

(۱۱) جب تُو نے احرام باندھنا چاہا، تو اس احرام میں تُو نے کیا نیّت کی؟

(۱۲) کیا تُو نے سب کچھ اپنے اوپر حرام قرار دیا، جو کچھ کہ خداوند قدیم کے سوا ہے؟"

(۱۳) اس نے کہا "نہیں"، مَیں نے اُس سے کہا: "تُو نے لبّیک کہا، علم و معرفت کی روشنی میں اور سچّی تعظیم کے ساتھ۔

(۱۴) کیا تُو نے خُدا تعالیٰ کی ندا سُنی اور اس لئے ایسا جواب دیا جیسے موسیٰ کلیمؑ نے جواب دیا تھا؟" (یعنی لبّیک کا مطلب ہے: مَیں حاضر ہُوں، جو کسی کے بُلانے کے جواب کے طور پر ہے)۔

(۱۵) وہ بولا "نہیں"، مَیں نے اُس کو کہا: "جب تُو عرفات میں کھڑا ہُوا، اور خود کو آگے پایا۔

عارفِ حق شُدی و منکرِ خویش | بہ تو از معرفت رسید نسیم
گفت "نی"، گفتمش: "چو می کشتی | گوسفند از پی اسیر و یتیم

قربِ خود دیدی اوّل و کردی | قتل و قربان نفس شوم لئیم ؟
گفت "نی"، گفتمش: "چو می رفتی | در حرمِ ہمچو اہلِ کہف و رقیم
ایمن از شرّ نفسِ خود بودی | و زغمِ فرقت و عذاب جحیم ؟"

(۱۶) کیا تُو اس وقت خُدا تعالیٰ کا عارف اور اپنی ہستی کا منکر ہو چُکا، کیا تجھ کو معرفت کی نرم و لطیف ہوا محسوس ہونے لگی ؟"

(۱۷) کہا "نہیں"، مَیں نے اس سے کہا جب تُو نے ذبح کیا، گوسفند کو یتیموں اور قیدیوں کے واسطے۔

(۱۸) کیا تُو نے اس وقت خود کو خُدا کے قرب میں دیکھا اور اسی لئے کر دیا، تُو نے اپنے کمینہ اور شریر نفس کو قتل و قربان ؟"

(۱۹) وہ کہنے لگا "نہیں"، میں نے اس سے کہا جب تو حرم میں گیا، اصحابِ کہف اور رقیم کی طرح۔

(۲۰) کیا تُو اس وقت نفسِ امّارہ کی بُرائی سے چھٹکارہ پا چُکا تھا، اور جُدائی اور عذابِ دوزخ کے غم سے بھی ؟"

گفت "نی"، گفتمش: "چو سنگِ جمار | ہمی انداختی بدیو رجیم
از خود انداختی برون یکسر | ہمہ عادات و فعلہای ذمیم ؟"
گفت "نی"، گفتمش: "چو گشتی تو | مطلع بر مقام ابراہیم
کردی از صدق و اعتقاد و یقین | خویشی خویش را بحق تسلیم ؟"
گفت "نی"، گفتمش: "بوقتِ طواف | کہ دویدی بہرولہ چو ظلیم

(۲۱) اس نے کہا "نہیں"، میں نے پُوچھا: "جب تُو نے جمار کے سنگریزے

شیطانِ رجیم پر پھینکے۔

(۲۲) کیا تُو نے اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ سے نکال باہر کر دیا، تمام بُری عادتوں اور تمام بُرے اعمال کو؟"

(۲۳) اس نے کہا "نہیں"، میں نے پوچھا "جب تُو (عارفانہ طور پر) ہو گیا واقف و آگاہ ابراہیم کے مقام (یعنی درجۂ روحانیت) سے۔

(۲۴) کیا تُو نے اس وقت صداقت، عقیدت اور یقین سے اپنی خودی کو خُدا تعالیٰ کے سُپرد کر دیا؟"

(۲۵) وہ بولا "نہیں"، مَیں نے پوچھا "طواف کے وقت، جبکہ تو فرشتہ مُرغ کی طرح تندی سے دوڑتا تھا۔

از طوافِ همه ملائکتان ‏ ‏ ‏ یاد کردی بگردِ عرشِ عظیم؟"

گفت "نی"، گفتمش: "چو کردی سعی ‏ ‏ ‏ از صفا سوی مروه بر تقسیم

دیدی اندر صفای خود کونین ‏ ‏ ‏ شد دلت فارغ از جحیم و نعیم؟"

گفت "نی"، گفتمش: "چو گشتی باز ‏ ‏ ‏ مانده از هجرِ کعبه بر دل ریم

کردی آنجا به گور مر خود را ‏ ‏ ‏ همچنانی کنون که گشته رمیم؟"

(۲۶) کیا تُو نے تمام فرشتوں کے اس طواف کا، تصور کیا جو وہ عرشِ عظیم کے گرد کر لیا کرتے ہیں؟"

(۲۷) اس نے کہا "نہیں"، مَیں نے پوچھا: "جب تُو نے سعی کیا، یعنی جب تُو دوڑا، صفا سے مروہ کی طرف سات دفعہ۔

(۲۸) کیا تُو نے اس دوران اپنے دِل کی صفائی اور روشنی میں دونوں

Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

جہان کو دیکھا، کیا تیرا دل دوزخ اور بہشت کی فکر سے آزاد ہوگیا؟"

(۲۹) وہ بولا "نہیں"، میں نے دریافت کیا: "جب تُو وہاں سے لوٹا تو کیا خانۂ کعبہ کی جُدائی سے تیرے دل میں زخم ہوگیا؟

(۳۰) تو کیا (عشق بیت اللہ کے اس زخم سے تُو مر گیا اور) تُو نے خُود کو وہاں دفن کر دیا، کہ جس سے تُو اب ایسا ہے جیسا سڑا ہوا ہو؟"

گفت" ازین باب ہرچہ گفتی تو | من ندانستہ ام صحیح و سقیم"
گفتم" ای دوست پس نکردی حج | نشُدی در مقامِ محو مقیم
رفتہ ای مکّہ دیدہ، آمدہ باز | محنتِ بادیہ خریدہ بسیم
گر تُو خواہی کہ حج کنی، پس ازین | این چنین کن کہ کردمت تعلیم"

(۳۱) وہ بولا "اس بارے میں تُو نے جو کچھ کہا مجھے کوئی پتہ نہیں کہ کیا درست ہے اور کیا نادرست"

(۳۲) میں نے کہا "اے دوست پس تُو نے حج ہی نہیں کیا، محویت اور فنائیت کے مقام کو نہیں پہنچ سکا۔

(۳۳) تُو نے جا کر صرف مکّہ دیکھا اور واپس آیا چاندی کو صرف کر کے بیابان کی مشقّت خرید لی۔

(۳۴) اگر تُو اس کے بعد حجّ کرنا چاہتا ہے تو ایسا ہی کرنا جیسا کہ مَیں نے تجھے بتا دیا"

ترجمہ از قلم

(علامہ نصیرُالدّین نصیرؔ ہونزائی)

اسماعیلی بلیٹن جلد ۳ شمارہ ۵ صفر ۱۳۹۷ھ، جنوری ۱۹۷۷ء

گلدستۂ عقیدت

بحضورِ شاہِ ولایت حضرت مولانا شاہ کریم الحسینی حاضر امامؑ
بموقع تشریف آوری بہ علاقہ ہونزہ
(از موکھی عصمت اللہ مشفقؔ ہونزائی)
ترجمہ: از علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

۱۔ ای ہادیٔ سبیلِ دل وجان خوش آمدی
ای نورِ برجِ رحمتِ یزدان خوش آمدی

ترجمہ:۔ اے دل وجان (یعنی رُوحانیت) کی راہ کے رہبر و رہنما، خوش آمدید، اے رحمتِ ایزدی کے برج کا نور، خوش آمدید۔

۲۔ ای آفتابِ دینِ مبینِ فخرِ ملک و دین
ای بادشاہِ تختِ دل وجان خوش آمدی

ترجمہ:۔ اے دینِ مبین کے سُورج، ملک اور مذہب کے فخر، اے دل وجان کے تخت کے بادشاہ خوش آمدید۔

۳۔ سبطِ رسُول و ابنِ علی نسلِ مُرتضےٰ
در کسوتِ کریم کریمان خُوش آمدی

ترجمہ:۔ رسُول اللہ کا نواسہ اور شہزادہ علی سلمان خان کا فرزند اور حضرت مُرتضےٰ علیؑ کی نسل، جو کریموں کے کریم (یعنی سخیوں کے سخی) کے لباس میں ہیں خُوش آمدید۔

۴۔ مختارِ کُلؔ و عالِم اسرارِ معرفت
ای جانشینِ ختمِ رسُولان خُوش آمدی

ترجمہ:۔ دینی اختیارات کے مالک، معرفت کے بھیدوں کو جاننے والے، اے خاتم المرسلین کے جانشین، خوش آمدید۔

۵۔ ای تاجدارِ مملکتِ دینِ مُصطفےٰ
دریایِ نور و بحرِ دُر افشان خُوش آمدی

ترجمہ:۔ اے دینِ مُصطفائی کی مملکت کے بادشاہ، نُور کے دریا اور موتی بکھیرنے والے سمندر، خوش آمدید۔

۶۔ تو ہمچو برجِ کوکب دُری بعصرِ خویش
اسرارِ علمِ سورۂ رحمان خُوش آمدی

ترجمہ:۔ آپ اپنے زمانے میں درخشان ستارے کے برج کی طرح ہیں، اے سورۂ رحمان کے علم کے بھیدوں کے مظہر، خُوش آمدید۔

۷۔ اولادِ مُرتضےٰ و توی آلِ مصطفےٰ

ای گنجہای معنی قرآن خُوش آمدی

ترجمہ:۔ آپ مُرتضےٰ علیؑ کی اولاد ہیں اور آپ حضرت محمّد مصطفےٰ کی آل ہیں۔ اے حضور! آپ ہی قرآنی معنوں کے خزائن کا درجہ رکھتے ہیں، خُوش آمدید۔

۸۔ مشفق مریضِ عشق تو شد تا تو بنگری

ای مرہم و طبیب طبیبان خُوش آمدی

ترجمہ:۔ مشفق آپ کے مُقدّس عشق کے مرض میں مبتلا ہو گیا تاکہ آپ اس کی عیادت کو جائیں اور معائنہ کریں، اے زخمِ دل کی دوا! اور اے طبیبوں کے طبیب! خُوش آمدید۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۳۔ شمارہ ۶، ۷، ربیع الاوّل، ربیع الثّانی ۱۳۹۷ھ فروری، مارچ ۱۹۷۷ء

حکمتِ ناصری

ترجمہ از علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی

یکی بی جان و بی تن ابلق اسپی کو نفرساید
بہ کوہ و دشت و دریا برہمی تازد کہ ناساید

ترجمہ:۔ ایک بے جان اور بے جسم چتکبرا گھوڑا (یعنی زمانہ) جو کہ کبھی فرسودہ نہیں ہوتا (یعنی کبھی بوڑھا اور ضعیف نہیں ہوتا) پہاڑ، بیابان اور دریا پر ہمیشہ اس طرح دوڑتا رہتا ہے کہ کسی وقت بھی آرام نہیں لیتا۔

سواران گر بفرسایند اسپان را بہ رنج اندر
یکی اسپیست این کو مر سواران را بفرساید

ترجمہ:۔ اگرچہ (دوسرے سب) سوار گھوڑوں کو رنج و مشقت سے تھکا تھکا کر فرسودہ کر دیتے ہیں، لیکن یہی ایک گھوڑا ایسا ہے جو

سواروں کو فرسودہ (کرکے ختم) کر دیتا ہے۔

سواران خفتہ اندوین اسپ بر سرشان ہمی تازد
کہ نہ کس را بکوبد سر نہ کس را روی بشخاید

ترجمہ:۔ سوار سوئے ہیں اور یہ گھوڑا ان کے سر پہ دوڑ رہا ہے کچھ اس طرح سے کہ بظاہر وہ نہ تو کسی کے سر کو توڑتا ہے اور نہ ہی کسی کے چہرے کو زخم کر دیتا ہے۔

تو و فرزند تو ہر دو برین اسپید لیکن تو
ہمی کاہی برین ہموار و فرزندت می افزاید

ترجمہ:۔ تم اور تمہارا فرزند دونوں اس گھوڑے پر سوار ہو لیکن تم اس پر ہمیشہ گھٹتے جاتے ہو اور تمہارا فرزند بڑھتا چلا جاتا ہے۔

نہ زاد از ہیچ مادر، نہ بپرورد ش کسی ہرگز
ولیکن ہر کہ زاد او یا بزاید زیر او زاید

ترجمہ:۔ وہ گھوڑا ایسا ہے کہ کسی ماں سے اس نے جنم نہیں لیا، اور نہ کبھی اس کو کسی نے پالا ہے، لیکن جو کوئی پیدا ہوا یا پیدا ہوتا ہے وہ اسی گھوڑے کے نیچے پیدا ہوتا ہے۔

زمانہ یٔ نامساعد را ازین گونہ بجز حجت
بہ زر و گوہر الفاظ و معنی کس نیاراید

ترجمہ:۔ ناموافق زمانے کو حجت کے سوا اس طرح الفاظ و معنی کے زر و جواہر سے کوئی نہیں سجا سکتا (یعنی زمانہ ہی ایسا گھوڑا ہے)۔

سخن چون زرِ پختہ بی خیانت گردد و صافی
چو اورا خاطرِ دانا بہ اندیشہ فروساید

ترجمہ:۔ بات خالص سونے کی طرح پاکیزہ اور صاف ہو جاتی ہے، جبکہ دانا کا دل اسے غور و فکر سے نکھار بخشتا ہے۔

سخن چون زنگ روشن باید از ہر عیب و آلائش
کہ تا ناید سخن چون زنگ زنگ از جانت نزداید

ترجمہ:۔ بات صاف گھنٹی کی طرح تابناک اور ہر قسم کے نقص و آلودگی سے پاک ہونی چاہیئے، کیونکہ جب تک بات صاف گھنٹی کی طرح پاکیزہ اور صاف نہ ہو تو تمہاری جان سے زنگ کو مٹا نہیں سکتی ہے۔

بہ آبِ علم باید شست گردِ عیب و غش از دل
کہ چون شد عیب و غش از دل سخن بی غش و عیب آید

ترجمہ:۔ علم کے پانی سے دل کے عیب و آلودگی اور کھوٹ کے گرد و غبار کو دھونا چاہیئے، کیونکہ جب دل سے عیب و آلائش جاتی رہے تو دل سے صاف اور پاکیزہ بات نکلتی ہے۔

طعامِ جان سخن باشد سخن جُز پاک و خوش مشنو
از یرا چون نباشد خوش طعام و پاک، بگزاید

ترجمہ:۔ بات ہی جان کی غذا ہے سو تم سوائے پاک اور عمدہ بات کے نہ سُننا، اس لئے کہ جب غذا خوش ذائقہ اور پاک نہ ہو تو مروڑ پیدا کرتی ہے یا اس سے جی متلا جاتا ہے۔

ز دانا ای پسر نیکو سخن را گر بیاموزی
بہ دو عالم ترا ہم خالق و ہم خلق بستاید

ترجمہ :۔ اے لڑکے، اگر تم دانا سے عُمدہ بات سیکھو گے تو دونوں جہان میں خُدا بھی تمہاری تعریف کرے گا اور اس کی مخلوق بھی۔

وگر مر خویشتن را از سخن بی بہرہ بپسندی
مرا گر چون تو فرزندی نباشد بر زمین شاید

ترجمہ :۔ اور اگر تم اپنے آپ کو عُمدہ باتوں سے بے بہرہ رکھنا چاہتے ہو، تو پھر میرا تم جیسا فرزند زمین پر نہ بھی ہو تو مناسب ہے۔

بہ بانگِ خوش گرامی شُد سوی مردم ہزار آوا
وزان خوار است زاغ ایدون کہ خوش وخوب نسراید

ترجمہ :۔ خوش الحانی کی وجہ سے بُلبُل لوگوں کے نزدیک عزیز ہے اور کوّا اس لئے ایسا خوار و ذلیل ہے کہ اس کی آواز عُمدہ اور پسندیدہ نہیں ہے۔

ہزار آواز چون دانا ہمہ نیکو و خوش گوید
ولیکن زاغ ہمچون مردِ جاہل ژاژ می خاید

ترجمہ :۔ ہزار داستان (بلبل) دانشمند کی طرح سراسر، خُوب اور دلکش آواز میں بولتا ہے، لیکن کوّا جاہل آدمی کی طرح فضول کائیں کائیں کرتا رہتا ہے۔

بنجشائی تو طوطی را از ان کو می سخن گوید
تو گر نیکو سخن گوئی ترا ایزو بنجشاید

ترجمہ:۔ اگر طوطے کی کوئی غلطی ہو تو تم اس کو معاف کرتے ہو اس لئے کہ وہ کلام کرتا ہے اور اگر تم بھی اچھی باتیں کروگے تو خداوند تعالیٰ تم کو بھی بخش دے گا۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۳، شمارہ ۸۔ جمادی الاول تا رجب ۱۳۹۷ھ، اپریل تا جون ۱۹۷۷ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

حکمتِ ناصری

از دیوانِ ناصر خسرو قدس سرہ،
(ترجمہ از علامہ نصیر الدین نصیرؔ ہونزائی)

---

(۱) پادشا بر کامہای دل کہ باشد؟ پارسا
پارسا شو تا شوی بر ہر مرادی پادشا

ترجمہ:- پیر صاحب بطور سوال فرماتے ہیں کہ وہ کون سا شخص ایسا ہے جو دل کی کامیابیوں کا بادشاہ ہو سکتا ہو؟ پھر آپ خود ارشاد کرتے ہیں کہ ایسا شخص صرف متقی یعنی پرہیزگار ہی ہے۔ لہٰذا پرہیزگار ہو جا، تاکہ تو ہر مقصد کا بادشاہ ہو جائے، یعنی تمام نیک مقاصد کی تکمیل ایسی آسانی سے ہو، جیسے تو بادشاہ ہو۔

۲۔ پارسا شو تا بباشی پادشا بر آرزو
کارزو هرگز نباشد پادشا بر پارسا

ترجمہ:۔ متقی اور پرہیز گار بن جا، تاکہ تُو اپنے نفس کی خواہش پر غالب بادشاہ ہو سکے۔ اور وہ تجھ پر حکمرانی نہ کر سکے، کیونکہ خواہش تو دُوسروں پر حاکم ہو سکتی ہے، مگر پرہیز گار شخص پر ہرگز حکومت نہیں کر سکتی۔

۳۔ پادشا گشت آرزُو بر تو زبی باکیِّ تو
جان و دل بایدہ ت دادایں پادشارا باژوسا

ترجمہ:۔ یہ تیری اپنی ہی لاپرواہی کا نتیجہ ہے کہ خواہشِ نفس رفتہ رفتہ تجھ پر غالب آکر تیری بادشاہ بن چُکی ہے۔ اب اس بادشاہ کو باج و خراج کے طور پر جان و دل دینے کے سوا اور کیا چارۂ کار ہو سکتا ہے۔

۴۔ آز دیو تُست چندیں چون رہا جوئی ز دیو؟
تو رہا کُن دیو را تا زو بباشی خود رہا

ترجمہ:۔ طمع اور خواہشِ نفسانی تیرے شیطان کی حیثیت سے ہے (جس کو تُو نے لاشعوری طور پر پکڑ بھی رکھا ہے اور شعوری طور پر اس سے چھٹکارا بھی چاہتا ہے) تُو نے کتنی دفعہ اور کیسے غلط طریق پر خود کو شیطان کے چُنگل سے چھڑانے کے لئے کوشش کی؟ ارے دوست جا! دراصل شیطان نے تجھ کو نہیں پکڑا ہے، بلکہ

خود تُو نے اسس کو پکڑ رکھا ہے، تُو اسس کو چھوڑ دے، تاکہ خود بخود تیری رہائی ہو جائے۔

۵۔ دیو را پیغمبران دیدند و راندندش زپیش

دیو را نادان نبیند من نمودم مر ترا

ترجمہ:۔ انبیاء علیہم السّلام نے ایسے شیطان کو دیکھا اور ان حضرات نے اپنے حضور سے اس کو بھگا دیا، یہ شیطان ایسا نہیں ہے کہ انجان اور نادان آدمی اسس کو دیکھ سکے، لہٰذا میں نے شیطان تجھ کو دکھا دیا۔

۶۔ خویشتن را چون فریبی؟ چون نپرہیزی زبد؟

چون نہی، چون خود کُنی عصیان، بہانہ بر قضا؟

ترجمہ:۔ تُو اپنے آپ کو کس طرح دھوکہ دیتا ہے؟ تو کس طرح برائی سے پرہیز نہیں کرتا؟ جب نافرمانی تُو خود ہی کرتا ہے تو کس طرح اس کا بہانہ قضا و قدر پہ رکھتا ہے؟

۷۔ چونکہ گر تو بد کنی زان دیو را باشد گناہ؟

ور یکی نیکی کنی زان مر ترا باید ثنا؟

ترجمہ:۔ کیونکہ تیرا نظریہ یہی کچھ ہے کہ اگر تجھ سے بُرائی کا ارتکاب ہوا تو اس کی وجہ شیطان ہے۔ لہٰذا یہ گناہ شیطان کا ہوا، اور اگر تو کوئی نیکی کرتا ہے تو اس سے تیری ہی تعریف و توصیف ہونی چاہیئے، حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے۔

۸۔ چون نیند کہ می بر خویشتن لعنت کنی؟
از خرد بر خویشتن لعنت چرا داری روا؟

ترجمہ:۔ تو کیسے نہیں سوچتا کہ تُو اپنے آپ پر لعنت کرتا ہے، جبکہ نافرمانی شیطان سے نہیں بلکہ تو خود ہی کرتا ہے؟ تو کیونکر عقل کی رُو سے اپنے آپ پر لعنت کرنا جائز قرار دیتا ہے؟

۹۔ جز بدستِ تو نگیرد ملک کس دیو، ای شگفت
جز بلفظِ تو نگیرد نیز مرکس را جفا

ترجمہ:۔ شیطان کا قول وفعل انسان ہی کے ذریعے سے ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ تعجب ہے کہ تیرے ہاتھ کے بغیر شیطان کسی کے دل کی مملکت لے نہیں سکتا اور نہ ہی وہ تیری بات کے سوا کسی پر ظلم وستم کرسکتا ہے۔

۱۰۔ دست وقولت دست وقولِ دیو باشد زین قیاس
ور نباشی تو نباشد دیو چیزی سوی ما

ترجمہ:۔ اس دلیل سے ظاہر ہے کہ تیرا ہاتھ اور تیری بات شیطان کا ہاتھ اور شیطان کی بات ہے اور اگر مثال کے طور پر ایسا کوئی شخص موجود نہ ہو تو ہمارے نزدیک شیطان کوئی چیز ہے ہی نہیں۔

۱۱۔ چند گردی گرد این وآن بہ طمعِ جاہ وجلال
کز طمع ہرگز نیابد جز ہمہ درد وبلا

ترجمہ:۔ دنیاوی عزت اور مال کی طمع سے کبھی اِس آدمی کے گرد اور کبھی اُس آدمی کے گرد تو آخر کب تک طواف کرتا رہے گا، کیونکہ طمع سے سوائے

دُکھ اور بلا کے اور کوئی چیز ہرگز حاصل نہیں ہوتی ہے۔

۱۲۔ گرچہ موش از آسیا بسیار یابد فائدہ
بی گمان روزی فرو کوبد سرِ موش آسیا

ترجمہ:۔ اگرچہ چوہا چکّی سے بہت فائدہ حاصل کرتا ہے، لیکن اچانک چوہے پر کوئی دن ایسا بھی گزرتا ہے کہ اس میں چکّی چوہے کے سر کو مسل کر رکھ دیتی ہے۔

۱۳۔ ای چہ اِی گور، گردِ دشتِ روز و شب چرا
ننگری کاین روز و شب جوید ہمی از تو چرا؟

ترجمہ:۔ اے قبر کی خوراک یعنی انسان! تُو دن رات کے اس صحرا کے گرد کیوں نہیں دیکھتا کیونکہ جہاں تُو دن رات سے غذا طلب کرتا ہے۔ وہاں وہ دونوں تجھ سے خوراک مانگتے ہیں، یعنی تیری عمر کو گھٹاتے ہیں۔

۱۴۔ چون چرا جوئی از انک از تو چرا جوید ہمی؟
این چرا جستن زیکدیگر چرا باید، چرا؟

ترجمہ:۔ اس مثال میں تو ایک ایسے شخص سے کیسے خوراک طلب کرتا ہے، جو وہ خود یہ چیز تجھ سے مانگتا ہے۔ اسی طرح یہ ایک دُوسرے سے خوراک کا تقاضا کیوں ہونا چاہئے، کیوں؟

۱۵۔ مرستوران را غذا اندر گیا بینم همی
باز بی دانش گیا را خاک و آب آمد غذا

ترجمہ:۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جانوروں کی غذا گھاس پات میں سے ہوتی ہے اور پھر اس بے دانش گھاس کی خوراک مٹّی اور پانی سے مہیّا ہوتی ہے۔

اسماعیلی بلیٹن جلد ۴، شمارہ ۵ صفر ۱۳۹۸ھ، جنوری ۱۹۷۸ء

ISW LS
Institute for Spiritual Wisdom and Luminous Science
Knowledge for a united humanity

خانۂ حکمت